ماہنامہ

مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

(ذہنی غلام) خدا پرست نہیں، ہوا پرست ہیں.
اگر دنیا میں بت پرستی کا غلبہ ہو جائے تو یقیناً وہ بتوں کو
پوجنے لگیں گے۔ اگر دنیا میں برہنگی کا رواج عام ہو جائے تو
یقیناً وہ اپنے کپڑے اتار پھینکیں گے۔ اگر دنیا نجاستیں
کھانے لگے تو یقیناً وہ کہیں گے کہ نجاست ہی پاکیزگی ہے اور
پاکیزگی تو سراسر نجاست ہے۔ انکے دل اور دماغ غلام ہیں اور
غلامی ہی کیلئے گھڑے گئے ہیں۔ آج فرنگیت کا غلبہ ہے اس
لئے اپنے باطن سے لیکر ظاہر کے ایک ایک گوشے تک وہ فرنگی
بننا چاہتے ہیں۔ کل اگر حبشیوں کا غلبہ ہو جائے تو وہ یقیناً
حبشی بنیں گے۔ اپنے چہروں پر سیاہیاں پھیرینگے، اپنے ہونٹ
موٹے کریں گے۔ اپنے بالوں میں حبشیوں کے سے گھونگر
پیدا کریں گے۔ ہر اس شے کی پوجا کرنے لگیں گے جو حبش سے
انکو پہنچے گی۔ ایسے غلاموں کی اسلام کو کوئی ضرورت نہیں ہے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

طلبہ قدیم متوجہ ہوں

دفتر اجلاس عام سے تمام فارغین اور سابق طالب علموں کے نام درج ذیل خط ارسال کیا جا چکا ہے۔ اگر کسی وجہ سے آپ تک نہ پہنچ سکا ہو تو اسے ہی کافی سمجھتے ہوئے فوراً اس کے مطابق جد و جہد شروع کر دیں۔

(ناظم اجلاس)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دفتر اجلاس عام

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

یوپی، پن ۲۷۶۱۲۱

فون نمبر: ۹۱

تاریخ ......

حوالہ نمبر ......

برادر مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح آپکی اپنی انجمن ہے۔ جس کے پیش نظر جہاں مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے ذمہ داران جامعہ کا تعاون کرنا ہے وہیں طلبہ قدیم کو منظم کرنا باہمی اصلاحی کوششوں کو پروان چڑھانا اور انہیں دین و ملت کی خدمت کیلئے تیار کرنا نیز ان کی راہ میں آنے والی پریشانیوں کو دور کرنا بھی ہے۔

ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ آپکی اس انجمن کیطرف سے انہیں مقاصد کے تحت حسب سابق اس سال مادر علمی جامعۃ الفلاح کے احاطہ میں ایک سہ روزہ اجلاس ۲۹، ۳۰، ۳۱ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ہو رہا ہے، جس میں ایک سمینار (بعنوان: ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس) کے علاوہ تنظیمی نشست، طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ، تقسیم انعامات اور دیگر دلچسپ اور مفید پروگرام ہوں گے۔

ہمیں امید ہے آپ اس اجلاس میں شرکت کی بھرپور کوشش کریں گے سر دست آپکی خدمت میں چند گذارشات ہیں۔

* آپ سے قریب اگر کوئی فلاحی یا جامعۃ الفلاح کا سابق طالبعلم موجود ہو تو اس سے رابطہ کریں اور ان کے پتہ سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔
* اجلاس کے سلسلے میں اپنے مشوروں سے آگاہ فرمائیں۔
* اجلاس کے اندر ایک مقالہ بعنوان "فارغین جامعہ ایک نظر میں" پیش کیا جائے گا اس سلسلے میں آپ کا پورا تعارف درکار ہے، آپ اپنے بارے تمام طرح کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔
* اجلاس کی کامیابی کیلئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔

والسلام

ناظم اجلاس

رحمت اللہ اثری فلاحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جلد: ۹ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ اگست ۱۹۹۲ء

شمارہ: ۸

بدل اشتراک

سالانہ زر تعاون:	۵۰ روپے
طلبہ کیلئے:	۴۰ روپے
خصوصی زر تعاون:	۱۰۰ روپے
اعزازی زر تعاون:	۱۰۰۰ روپے
غیر ممالک سے زر تعاون:	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ:	۵ روپے

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر

عبدالباری اثری فلاحی

سرکولیشن منیجرس

محمد اشفاق عالم فلاحی

آفتاب رحمانی فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

(نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ، فیض آباد)

نقوش حیاتِ نو

صفحہ

- اداریہ
  پانی کہاں مر رہا ہے — محمد اسمٰعیل فلاحی ۳
- عظمت کے مینار
  ثمامہ ابن اثال حنفی — صبغۃ اللہ فلاحی ۳۸
  مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی شخصیت کے چند نمایاں پہلو — سلطان احمد اصلاحی ۷
- جہاد افغانستان
  نصرت ایزدی کے حیرت فروش مناظر — مولانا نور محمد دانہ ۲۳
- گوشۂ ادب
  پروفیسر جین کا اعتراض، ایک جائزہ — ڈاکٹر اختر الزماں ۲۱
- شعر و نغمہ
  نعت — ادریس ضیاء ۳۰
  غزل — شفیع اللہ خان راز ۳۰
- اخبار علمیہ — ابن عالم فلاحی ۴۴
  کرناٹک کے مسلم کسان کا کارنامہ، فضائی سفر کرنیوالوں کیلئے نماز کا وقت بتانے والی گھڑی، تعلیمی نظام کی بہتری کیلئے ایک جرأتمندانہ قدم۔
- جامعہ کے لیل و نہار — محمد اسمٰعیل فلاحی ۴۷
  صدر جامعہ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر، امتحان، جامعہ میں معلمات کا تربیتی کیمپ کلیۃ البنات کا مجوزہ کمپلکس، ڈاکٹر عبداللہ کا خطاب، مرکزی ہال اور کینٹین کی تعمیر مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب فراش۔
- اجلاس عام کی تیاریاں (سمینار) — عبداللہ فہد فلاحی ۲۱
- طلبہ قدیم کے نام خط — ناظم اجلاس جلا ٹیل صفحہ کا اندرونی حصہ

ادارِیہ

محمد اسمٰعیل فلاحی

پانی کہاں کہاں مر رہا ہے؟

جامعۃ الفلاح میں عالمیت و فضیلت کے ممتحن، جامعہ کے اساتذہ کے بجائے، بالعموم دوسری جگہوں اور دوسرے مدارس کی محترم و معزز علمی شخصیات ہوتی ہیں تاکہ وہ اپنے پیمانے پر، جسطرح چاہیں، ہمارے طلبہ کو جانچیں پرکھیں اور انکے معیار کا اندازہ لگائیں۔

پچھلے سالانہ امتحان کے موقع پر ایک قدیم معروف درسگاہ میں پرچہ جوانے کی غرض سے جانے کا موقع ملا تھا۔ رات کے تقریباً ۱۱ بج رہے تھے۔ مدرسہ کا آہنی پھاٹک بند کیا جا چکا تھا کہ ایک کار آکر رکی اس میں سے ایک نوجوان صدر مدرس صاحب کے پاس آیا اور کچھ باتیں کر کے واپس ہو گیا۔ معلوم ہوا نو وارد مدرسہ کے ناظم اعلیٰ کے عزیز تھے۔ ناظم صاحب کے گھر شادی تھی اور کھانا زیادہ بچ گیا تھا۔ وہ آئے تھے یہ کہنے کہ صبح ناشتہ کیلئے راشن نہ نکالا جائے۔ ناظم صاحب کے گھر بچی ہوئی بریانی طلبہ کا ناشتہ ہوگی۔ موقع پر کئی ایک اساتذہ تھے۔ میں نے پوچھا طلبہ یا آپ حضرات اس تقریب میں مدعو بھی تھے؟ جواب تھا مدعو تو نہیں تھے، کھانا بچ گیا ہے۔ طلبہ یاد آگئے ہیں۔ میں سناٹے میں آگیا، ایک سرد آہ نکلی اور سوچنے پر مجبور ہو گیا کیا اب طلبۂ مدارس عربیہ مہمانانِ رسول نہیں رہے؟ کیا اب یہ وہ نہیں ہیں جن کے لئے سمندر کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں اور فرشتے جن کے لئے اپنے پر فرش راہ کرتے ہیں؟ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ[1] کیا اب کسی اور کی شان ہے؟ رسول کریم کے ان عالی رتبہ اور گرامی قدر مہمانوں کے ساتھ یہ حقارت آمیز گستاخانہ انداز جیسے کہ وہ گھر کے نوکر چاکر ہوں یا بستی کے سائل و گداگر۔ معاذ اللہ۔ الامان الحفیظ!

[1] تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے (حدیث)

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر معلوم ہوا یہ پہلا موقع نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا آپ لوگ اس "اعزاز" پر مطمئن ہیں؟ جواب ملا مطمئن تو نہیں لیکن ناظم صاحب اور دوسرے "بڑوں" کا معاملہ ہے، شیشۂ دل پہ بال نہ آجائے خاموش ہیں۔ صبح کا منظر اور زیادہ سوہانِ روح تھا جب کھانا آیا ہے اور طلبہ رکابیاں لے کر دوڑے ہیں۔

باسی کھانا کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ اسکی چنداں کوئی حقیقت ہے کہ کوئی خشک روٹی کھلاتا ہے یا بریانی کا انتظام کرتا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ کون کس جذبے سے کھلاتا، آپ کو کیا سمجھتا اور اس کے دل میں آپ کے لئے کیا مقام ہے۔

وہ مدارس جہاں طلبہ سے اس طرح کا معاملہ کیا جاتا ہو، ملک وملت کی تعمیر میں ان سے کوئی بڑی توقع کیونکر کی جا سکتی ہے؟ جہاں انکی خودی کو مجروح کیا جاتا ہو جہاں ان کی غیرت وحمیت کو ٹھیس پہونچائی جاتی ہو اور جہاں انکے بال و پر نوچنے والے خود باغبان اور اس کے مالی ہوں۔ وہاں ہم اقبال کے شاہین اور شہباز کیسے دیکھ سکتے ہیں۔

کتنے مدارس ہیں جہاں دعوتیں کھلا کھلا کر طلبہ کی عادتیں بگاڑ دی جاتی ہیں، کہیں شادی ہے، کہیں چالیسواں ہے، کہیں میلاد ہے اور کہیں کوئی اور تقریب۔ مدارس کے طلباء جلسوں پر بلائے جاتے ہیں اور پھر وہ انتظار میں رہنے لگتے ہیں کہ کہیں کسی کی شادی ہو یا کوئی مرے۔

ع نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی

جب انکی عادت بگڑ گئی اور طبیعت میں چھچھوراپن اور خستِ نفس پیدا ہو جاتی ہے تو کبھی دعوت دے کر عادت بگاڑنے والے کرم فرما انہیں کوستے اور برا بھلا کہتے ہیں۔

دوسری جانب مدارس کے اندرونی نظام میں عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ کھانے کے اوقات میں طلبہ رکابی کٹورا لئے لائن لگاتے ہیں اور پھر کتنے مدارس ہیں جہاں خوشحال اور غریب سبھی کو زکوٰۃ کھلائی جاتی ہے اور اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ بعض ایسے مدارس بھی ہیں جہاں ایک ہی ساتھ رہنے والے طلبہ کا الگ الگ کھانا بنتا ہے۔ وظیفہ والوں کا معمولی اور مستطیع کا ذرا معیاری۔ بظاہر یہ معمولی چیزیں ہیں لیکن اگر غور کیجئے تو یہ بھی انکی بلند پروازی کو متاثر کرنے والی ہیں۔ وہ لوگ جو مدارس کا سابقہ انقلابی کردار بحال کرنا چاہتے

ہیں، انہیں دیکھنا چاہئے کہ پانی کہاں کہاں مر رہا ہے۔

مدارس کے انحطاط وتنزل کے جہاں بہت سارے اسباب ہیں۔ وہیں ذمہ دارانِ مدارس کا یہ طرزِ انتظام وانصرام سنجیدہ غور وفکر کا طالب ہے۔ جامعۃ الفلاح کو بعض دوسرے اداروں کی طرح ہی روزِ اول سے اس کا شدت سے احساس رہا ہے۔ یہاں طلبہ جا کر دعوتیں نہیں اڑاتے اور نہ انہیں کہیں جانے دیا جاتا ہے کجا کہ کوئی باسی بریانی کھلانے کی جرأت کرے۔ رکابی کٹورا لیکر لائن لگانے کے بجائے یہاں طلبہ دسترخوان پر ایک ساتھ بھائیوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ انکی باریاں ہوتی ہیں، وہ اپنی باریوں میں کھلاتے ہیں۔ کھانا گن کر یا ناپ کر نہیں دیا جاتا۔ سب حسب خواہش کھاتے ہیں۔ مختلف چیزوں کے اشارے مقرر ہیں، مثلاً روٹی کیلئے ایک انگلی، دال کیلئے دو، نمک کیلئے تین، چاول کیلئے چار، پانی یا پلیٹ کیلئے پانچ وغیرہ۔ کھلانے والوں نے یہ اشارے دیکھے فوراً مطلوبہ چیز حاضر ہو گئی۔ نہ چیخ پکار، نہ شور شرابہ، کم وقت میں بسہولت سب فارغ۔ یہاں نہ طلبہ کو معلوم ہوتا ہے اور نہ اساتذہ کو خبر کہ کس کا وظیفہ ہے اور کس کا نہیں۔ ادارے کے نظم سے الگ کھانے کیلئے میس سسٹم ہے جس میں مستطیع طلبہ اپنی فیس جمع کرتے ہیں اور غیر مستطیع طلبہ کی فیس ادارہ کی طرف سے جمع ہو جاتی ہے۔

برادر عبد الحسیب فلاحی کو صدمہ جانکاہ

۱۶ر اگست ۲۰۰۲ء کی شام کو گورکھپور ریڈیو، آل انڈیا ریڈیو، دوردرشن اور بی بی سی نے اعظم گڑھ شہر کے ذرا آگے جیری میں جیپ ٹرک حادثہ کی خبر دی جس میں موقع پر ۱۲ افراد ہلاک ہو گئے۔ اطلاعات کے مطابق بعد میں یہ تعداد اٹھارہ بیس تک پہونچ گئی۔ اس حادثے کے تیسرے روز شام میں پتہ چلا کہ یہ بجلی اپنے عزیز کے گھر بھی گری تھی۔ بندی کلاں کے جناب عبد الوالی صاحب اپنی اہلیہ سمیت اس حادثہ میں موقع ہی پر جاں بحق ہو گئے۔ مرحوم برادر عزیز عبد الحسیب فلاحی استاد جامعہ عربیہ تبوقی آباد ذیوپی اور عزیزہ نور افروز فلاحی صاحبہ معلمہ الزہراء عربی تعلیمی مرکز کوہنڈہ کے والد بزرگوار تھے۔ اعظم گڑھ اپنی بہو عبد الحسیب صاحب کی اہلیہ کو بغرض علاج لائے تھے۔ واپس ہو رہے تھے کہ فرشتۂ موت آ ہوا تھا۔ گر گاڑی سے باہر ہونے اور گھر میں مردوں کے نہ ہونے کے نتیجہ میں گھر

والوں کو خبر نہ ہوسکی۔ عبدالحسیب صاحب کی والدہ بھی گھر پر نہیں تھیں اور بقیہ بچے بچیاں بھی نہیں۔ پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں نے سمجھا شہر میں رک گئے ہوں گے۔ ادھر لاشوں کی شناخت نہ ہونے کے نتیجہ میں دوسرے دن پوسٹ مارٹم کے بعد شہر میں انہیں لاوارث سمجھ کر دفن کر دیا گیا۔ تیسرے دن اعزہ کو خبر ہوئی، حالانکہ ان لوگوں کے پاس ایسے کاغذات تھے کہ اگر پولیس ذمہ داری کا مظاہرہ کرتی تو انکے گھر والوں کو خبر کی جاسکتی تھی۔ مئو ناتھ بھنجن کے ایک نوجوان وکیل جناب عبدالرحمٰن صاحب بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل تھے۔ انہیں بھی لاوارث سمجھ کر سپرد خاک کر دیا گیا جبکہ انکے پاس بینک کا چیک تھا جس سے پتہ لگایا جاسکتا تھا۔ اعظم گڑھ ہاسپیٹل میں ایسا کوئی انتظام بھی نہیں جہاں اس طرح کے مواقع پر چند روز لاشیں رکھی جاسکے۔ ہمیں افسوس ہے کہ شہر کی انتظامیہ نے نااہلی کا ثبوت دیا اور اعزہ واقربا آخری دیدار سے محروم رہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی اعلیٰ سطحی تحقیق کرائی جائے اور غفلت کا مظاہرہ کرنے والے ذمہ داروں کو قرار واقعی سزا دی جائے اور مرنے والوں کے ورثا کو مناسب معاوضہ دیا جائے۔

عبدالوافی مرحوم نے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ جامعۃ الفلاح میں ۱۹۸۷ء کے سیشن میں بحیثیت مدرس رہے۔ فقیر منش انسان تھے۔ طبیعت میں صبر اور دنیا سے بے رغبتی پائی تھی۔ انکی زندگی کا یہ سفر ۱۹۶۲ء سے شروع ہوا تھا اور ۱۷ اگست ۱۹۹۲ء کو وہ اپنی حقیقی منزل پر پہنچ گئے جو ہماری بھی اصلی منزل ہے جسکی طرف ہم رواں دواں ہیں۔ عبدالحسیب صاحب کیلئے یہ حادثہ بڑا جانکاہ ہے۔ والدہ محترمہ اور رفیقۂ حیات دونوں کی جدائی کا غم ایک ساتھ انہیں برداشت کرنا پڑا۔ انکا نکاح بڑی سادگی سے چند سال قبل ہوا تھا۔ نکاح میں انکے ساتھ انکے اہل خانہ میں صرف ان کے والد صاحب موجود تھے۔

اس حادثہ کی خبر جونہی جامعہ ہوئی سب دم بخود ہو گئے۔ دفتر حلقہ لکھنؤ فون کے ذریعہ رابطہ کی کوشش کی گئی کہ عبدالحسیب صاحب کو فوراً خبر کی جاسکے۔ رابطہ قائم ہوگیا اور وہ گھر آگئے۔ انجمن اور جامعہ کے اساتذہ کا ایک وفد بندی کلاں بھی پہونچا اور پسماندگان سے تعزیت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

دوسری قسط

مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی [1]

شخصیت کے چند نمایاں پہلو

سلطان احمد اصلاحی

۱۹۶۲ء میں تحریک کی طرف سے آپ کو دوبارہ طلب کیا گیا اور آپ مرکز جماعت میں آ حاضر ہوئے۔ کتنا ہی بلند سہی انسان بہرحال انسان ہوتا ہے۔ جذبات واحساسات سے وہ یکسر عاری نہیں ہوسکتا۔ اپنے طویل دور عزلت نشینی میں کیفیات وتاثرات سے یقیناً آپ بھی خالی نہ رہے ہوں گے۔ جیسے بسا اوقات کچھ بے کیفی بلکہ یک گونہ تلخی کا پیدا ہوجانا بھی بالکل غیر فطری نہ تھا۔ تحریک سے کچھ لئے بغیر آپ نے دس بارہ سال گزار دئے تھے۔ بقیہ عمر بھی اسی انداز سے کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتی۔ صاحبزادے بھی کسی نہ کسی قابل ہو ہی چلے تھے۔ جس بار گراں سے کچھ سال بعد کسی طرح سبکدوشی ملی تھی اسے کیوں پھر دوبارہ اٹھایا جائے۔ سطحی بینوں کے اس طرح کے تاثرات بھی غیر متوقع نہ تھے کہ تحریک کی سرگرم خدمت آپ اس کے سربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ گوشہ نشیں اور تحریکی مسائل سے بڑی حد تک کٹے کٹے سے رہے، جس کی حکمت اور مصلحت کی طرف اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ لیکن تحریک ایسے موڑ پر پہنچ چکی تھی کہ اپنے تئیں اس طرح کے دل آزار احساسات وتاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے جماعت کے وسیع تر مفادات کے تحفظ کی خاطر امارت کی ذمہ داریاں دوبارہ سنبھالنے کے اس کے فیصلے کا احترام آپ نے ضروری سمجھا۔ آپ کی شخصیت جو سراپا اخلاص اور "صدیقیت" کا مظہر تھی، اس سے بجا طور پر توقع بھی اسی کی رکھی جاتی تھی۔

سابق امیر جماعت اسلامی مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہم۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عاجلہ وکاملہ عطا فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ کی شخصیت کی حلاوت اور اسکی خنکی اور نرمی کو آدمی آپ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر

[1] مضمون مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے قبل لکھا گیا تھا۔

ہی محسوس کر سکتا ہے۔ تحریک کیلئے آپ کی قربانیاں بے مثال اور بجا طور پر ہندوستان کی جماعت کیلئے آپ "ثانی اثنین" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ جماعت میں اس وقت کی ہائی کورٹ کی اعلیٰ ترین ملازمت کو خیرباد کہہ کر شامل ہوئے۔ وہ اپنی پوری زندگی میں زہد و قناعت اور بے نیازی و استغنا کا پیکر رہے۔ ایک روایت کے مطابق تحریک میں تنگی و ترشی کا جو طویل وقفہ آپ نے گزارا اس میں ایسے وقت بھی آئے جب کہ آپ قمیص کے بغیر صرف شیروانی زیب تن کئے مجلسوں میں نمودار ہوئے۔ اس سلسلے کے آپ کی مثالی زندگی کے بے شمار واقعات ہیں۔ جنہیں ہم آپ کے بھی مستقل سوانح نگار کیلئے اٹھا رکھتے ہیں۔ خداداد نورانیت آپ کے چہرے پر برستی ہے جسے دیکھ کر اپنے ہی نہیں اغیار بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن آپکی شخصیت کا سب سے نمایاں ترین پہلو آپ کا حلم و عفو اور نرمی و بردباری ہے۔ جسے دیکھ کر عثمانیت کی یاد تازہ ہو جائے۔ غالباً پوری تحریک میں عثمانی اوصاف کی حامل آپ سے بڑھکر دوسری شخصیت نہ ہوگی۔ آزادی کے بعد امیر اول کی سبکدوشی کے بعد جماعت کی امارت کی نازک اور اہم ذمہ داری جب آپکے کندھوں پر آئی، جسے آپ نے بڑی مشکلوں سے رفقاء کے اصرار کے بعد قبول فرمایا تھا تو آپنے اپنے بس بھر اسکی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی پوری پوری کوشش کی۔ اپنی پیرانہ سالی اور انتہائی کمزور صحت کے باوجود آخری عمر میں امارت کی ذمہ داری جس لگن اور یکسوئی سے سنبھالی اور اس کے لئے جو انتھک محنت اور جانفشانی کی۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ تحریک کی ضرورت کے تحت اس عمر میں عربی زبان لکھنے اور بولنے کی جو مشق بہم پہنچانے میں آپ کامیاب ہوئے طبع زاد چیزیں لکھنے کے علاوہ بڑے بڑے اجتماعات میں قرآن کی زبان میں خطاب کی جو صلاحیت آپ نے پیدا کی اور گفتگو میں بے تکلف اس زبان کے استعمال پر قدرت پیدا کر لی وہ نوجوانوں کیلئے بھی باعث رشک اور قابل تقلید ہے۔

اپنے دس سالہ دور امارت میں جماعت کی توسیع اور اسکے کام کو آگے بڑھانے میں آپ نے جو بے مثال کارنامے انجام دئے ان میں دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں کوئی انصاف پسند نظرانداز

نہیں کر سکتا۔ اور جنہیں امید ہے ان شاء اللہ جماعت کی تاریخ میں سنہرے حرفوں میں لکھا جائے گا تین سال قبل امارت سے سبکدوشی کے وقت جماعت کی شوریٰ نے بجا طور پر آپکو ان پر خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ یہ دو کارنامے ہیں۔ ۱۔ بیرون ہند جماعت کا سرگرم تعارف یہاں تک کہ جماعت ہندوستان کی سطح سے نکل کر عالمی تحریکات اسلامی میں اہم ترین مقام کی حامل قرار پا گئی۔ اور ۲۔ ایمرجنسی کے تاریک دور میں آپ کا مثالی اور تاریخی کردار۔ مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی کے بعد امارت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے آپ نے محسوس کیا کہ اندرون ملک تحریک کے کام اور اسکی توسیع و استحکام کے ساتھ بیرون ملک بھی اسکا کما حقہ تعارف اور تشہیر ضروری ہے یہ دور بین الاقوامیت کا دور ہے۔ ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کی فراوانی نے پوری انسانی برادری کو ایک کنبہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ آج کے دور میں انسان کو عافیت کے ایک گوشے میں رہنے کیلئے بھی بہت کچھ ہاتھ پیر مارنا پڑتا اور مشرق سے مغرب تک تانے بانے پھیلانے پڑتے ہیں۔ آج اگر کوئی ملک دنیا سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتا، کوئی قوم اقوام عالم سے کٹ کر ترقی کی منزل سے ہمکنار نہیں ہو سکتی تو تحریکات کیلئے بھی بجا طور پر یہی بات صادق آتی ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے جماعت کی اس واقعی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جد و جہد و جانفشانی میں کمر باندھ رکھی۔ پیرانہ سالی کے باوجود آپ نے عالم عرب میں لمبے لمبے قیام کئے۔ جماعت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسکے عربی ترجمان پندرہ روزہ "الدعوۃ" کا اجراء عمل میں آیا۔ نتیجہ ہوا کہ زیادہ وقفہ نہ گزرنے پایا کہ تحریک اسلامی ہند عالم اسلام کے اہم ترین فورموں میں نمائندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں ملت اسلامیہ ہند کی سب سے زیادہ فعال اور متحرک نمائندہ کی حیثیت سے اسکی حیثیت مسلم قرار پا گئی۔ جبکہ اس سے پہلے بیرون ہند جماعت کا تعارف بہت کم اور واجبی تھا۔ تحریک اسلامی ہند کے تئیں مولانا موصوف کا یہ وہ کارنامہ ہے جسے امید ہے ان شاء اللہ آئندہ ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔

لیکن آپ کا اس سے بھی بڑا اور عظیم کارنامہ انیس ماہ ایمرجنسی کے بھیانک عرصے میں آپ کا وہ مثالی اور تاریخی کردار ہے جس نے اس دور آخر میں اس امت میں اسلاف کی

دعوت وعزیمت کی تاریخ کی یاد تازہ کر دی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہند کی زندہ سرزمین میں اگر کچھ لوگ دعوت وعزیمت کی تاریخ مرتب کرنے میں مصروف رہے تو اللہ کے کچھ نیک بندوں نے ایمرجنسی کے تاریک دور میں یہ تاریخ بنا کر دکھا دی۔ سابق امیر جماعت اسلامی ہند ان نفوس قدسیہ کے سرخیل اور اس سلسلۃ الذہب کے گوہر آبدار تھے۔ ایمرجنسی کا سخت ترین استبدادی دور جبکہ بہت سے علماء دین اور مفتیان شرع متین نے حکومت کے تیور کو دیکھتے ہوئے مداہنت آمیز کتابیں اور فتاوے صادر کئے، دوسرے بہت سے حضرات نے لچکدار اور دو رخے دہنی بیانات دے کر حکومت کی بعض انتہائی مذموم اور ظالمانہ پالیسیوں کے لئے وجہ جواز فراہم کیا، تحریک اسلامی کے اس سالار نے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے سے وقت کی جابرانہ وآمرانہ حکومت کے کل سیاہ وسفید کی مالک سابق وزیر اعظم ہند کو جو مفصل اور بے باک خطوط لکھے وہ ہندوستان میں دعوت وعزیمت کی تاریخ کا ایک انتہائی روشن باب ہیں۔ جس نے بجا طور پر ہند میں ملت اسلامیہ کا سر اونچا کیا اور اکثریت کے ذہن ودماغ پر اس گئی گزری حالت میں اپنی عظمت وبلندی اور جرأت و بے باکی کا سکہ بٹھا دیا۔ تحریک کی ایمرجنسی کی اس انتہائی زبردست تاریخ کو صفحۂ قرطاس پر محفوظ کرنے کیلئے تحریک اسلامی کو متوجہ کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب مجدہم کی اس دستاویزی مراسلت کو بھی خاص طور پر محفوظ کر لینے کی خواہش اور اس کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ پورے ملک میں تحریک کے کارکنوں کی غالب ترین اکثریت نے ایمرجنسی کی آزمائشوں کا جس بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا اور باشندگان ملک پر اس کے جو بے مثال انمٹ نقوش چھوڑے اس میں بڑا دخل قائد تحریک کی حیثیت سے مولانا موصوف کے اسی مثالی اور زبردست اسوہ اور نمونہ کا تھا۔ پیرانہ سالی کا شکار بظاہر ہڈیوں کا مجموعہ اور حد درجہ نحیف ونزار اس قائد نے جس اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ سے بڑھے ہوئے ربط وتعلق کے بغیر یقیناً یہ چیز ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ اللھم زد امثالہ فینا۔

مولانا موصوف کے دور امارت کے ان روشن پہلوؤں کے پہلو بہ پہلو بعض

کمیاں بھی محسوس کی گئیں۔ مولانا محترم نے تحریک اسلامی کو عالم اسلام میں متعارف کرنے کا جو بیڑا اٹھایا جس کی اب تک کسی قدر کمی تھی، اور اس بارے میں بھی دو رائے نہیں ہو سکتی اس کا واحد محرک تحریک کے تئیں آپ کا بے پایاں خلوص اور اس کا مفاد تھا۔ لیکن اس کا لازمی اور فطری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ جوں جوں آپ کی توجہ جماعت کے خارج میں تعارف پر مرکوز ہوگئی، داخلی طور پر جماعت کا نظام کسی حد تک متاثر رہنے لگا۔ ہر چند کہ اللہ کے فضل وکرم سے تحریک اسلامی کا ایک خود کار نظام ہے جو خارجی دباؤ سے زیادہ افراد کے اندرون کا تقاضا اور ان کے جذبۂ باطنی کا رہین ہے، چنانچہ ایمرجنسی میں جماعت پر پابندی اور کاغذی طور پر کالعدم ہو جانے کے باوجود، پابندی اٹھتے ہی اس کا نظام جوں کا توں بحال اور اس کا قافلہ حسب معمول اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا، لیکن بہرحال قیادت کی طرف سے تحریک کو رخ دینے کے ساتھ اس کی مسلسل نگرانی اور دیکھ ریکھ بھی پڑتی ہے، اور کسی بھی ادارہ کی طرح تحریک پر بھی یہ بات بعینہٖ صادق آتی ہے کہ اس کے سربراہ کا ذہنی وفکری رنگ، اس کے ذوق ومزاج کا بھی کافی اثر اس کے زیر تحت پورے نظام پر پڑتا ہے۔ نتیجہ ہوا کہ قیادت کی بیرون ملک بڑھی ہوئی دلچسپی کے نتیجے میں جو سرا سر تحریک وجماعت کی خاطر اور اس کے مفادات ومصالح کے تحفظ اور یقیناً انہیں آگے بڑھانے ہی کیلئے تھی، اس کا اندرونی نظام بڑی حد تک ڈھیل اور عدم نگرانی کا شکار ہو گیا۔ یہ کمی بڑی حد تک پر ہو سکتی تھی اگر موجودہ حکومتی نظاموں کی طرح جو عین تقاضائے مصلحت اور قابل تقلید معلوم ہوتا ہے چنانچہ بیرون ہند مختلف تحریکات اسلامی نے بھی عملاً اس طریقہ کار کو اپنا لیا ہے، جماعت میں وزارت خارجہ کے انداز پر بیرون ملک رابطہ کیلئے ایک شعبہ قائم ہوتا۔ تاکہ جس طرح امیر جماعت اندرون ملک مختلف سکریٹریز کے ذریعہ نظام تحریک کو چلاتا اور اسے چاق وچوبند اور متحرک اور چست رکھتا ہے، خارجہ سکریٹری کے ذریعہ بیرون ملک تحریک کے تقاضوں کو اس کے ذریعہ بطریق احسن پورا کرتا، چنانچہ تحریکی نظام کا یہ بظاہر خلا جو اس وقت بھی بدستور باقی ہے۔ جس کے نتیجے میں بیرون ملک تحریک کے سرگرم تعارف اور اس کی توسیع کار کا متاثر ہونا فطری ہے، اس وقت امیر جماعت کے

بیرونِ ملک کے معاملات میں گھر جانے اور اس کے بڑھتے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں وا عملی طور پر تحریک کا نظام اور استحکام متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ بیرونِ ملک دوروں کی کثرت کے باعث اندرونِ ملک اس کے لئے وقت کم سے کم بچنے لگا۔ باہر کے مہمانوں کی آمد اور اس کے لوازمات نیز ان سے روابط کی استواری وغیرہ امور، علاوہ دیگر چیزوں کے اپنے ساتھ وقت کا جو گھیراؤ رکھتے ہیں، اس کا اندازہ کر لینا بھی کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ نتیجہ ہوا کہ جماعت کے وابستگان و متوسلین کیلئے تحریکی قیادت کے پاس دینے کیلئے وقت کم رہنے لگا۔ جبکہ بسا اوقات مرکز جماعت پہنچ کر بھی ارکان جماعت کی تشنہ لبی جوں کی توں برقرار رہی۔ مولانا محمد یوسف کی اخلاص و بے لوثی پر حرف زنی کی کسی کی مجال ہو سکتی ہے، لیکن تحریک کے تقاضے ہی سے بھی اسکے نظام میں ایک طرح کا عدم توازن پیدا ہوا، لیکن جیسے تحریک و جماعت ہی کے مفاد میں دور کرنا بھی اسی قدر ضروری تھا۔

اس عرصہ میں اس سے بھی بڑا مسئلہ طلبہ

تحریک سامنے آیا۔ طلبہ کے اندر دعوتی کام، انہیں زیادہ سے زیادہ اسلام اور تحریک کی طرف راغب کرنا، اول دن سے تحریک کی پالیسی و پروگرام میں بنیادی توجہ کا حامل تھا۔ چنانچہ تقسیم کے بعد تنظیم نو کے وقت ہی سے انتہائی مخلص اور سرگرم طالبعلموں کا قافلہ اس کے ساتھ تھا، جن کی علمی و فکری پیاس بجھانے کیلئے تحریک کو ان کے لئے الگ ایک مستقل تعلیم قائم کرنا پڑا۔ رامپور کی مرکزی درسگاہ جس کے لئے جماعت کی مرکزی قیادت کے ارکان تک نے اپنے اوقات کا کچھ حصہ فارغ کیا۔ طلبہ کے اسی قافلے نے بفضلہ تعالیٰ بعد میں ایک علمی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اور انہوں نے ملکی اور بین الاقوامی زبانوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ موضوعات پر مختلف اور متنوع کارنامے انجام دئے۔ یہاں تک کہ ہندوستان سے باہر علمی حلقوں میں انکا پورا وزن محسوس کیا گیا۔ جنمیں سے بعض آج اپنے میدان میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ افسوس ہے کہ آگے یہ سلسلہ دیر تک جاری نہ رہ سکا اور مختلف مشکلات و مسائل سے مجبور ہو کر۔ جن میں اہم ترین مسئلہ طلبہ کی کمی تھا، یہاں تک ایک وقت آیا جب درسگاہ میں اساتذہ زیادہ اور طلبہ کی تعداد کم رہی،

تحریک کو اس کام کے ثانوی حصے کو ختم کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ لیکن مختلف انداز سے طلبہ میں کام پر اسکی خصوصی توجہ اسی طرح قائم رہی۔ دینی تعلیمی کونسل کے ساتھ اسکے سرگرم تعاون، جامعۃ الفلاح بلریاگنج اور جامعۃ الصالحات رامپور وغیرہ کے قیام میں تحریک کے کارکنوں کے کلیدی کردار کو بھی بڑی حد تک جماعت کی اس خواہش کا مظہر قرار دیا جا سکتا ہے۔ آگے تحریک نے اپنے بعض ممتاز کارکنوں کو اس کام پر لگایا اور انہوں نے طلبہ اور نوجوانوں کے اندر کام کو منظم کرنے کا بیڑہ اٹھایا جنہیں خدا کے فضل و کرم سے انہیں بڑی حد تک کامیابی نصیب ہوئی۔ اندر پورے ملک کے اندر مختلف سطح پر اور مختلف حلقوں کی صورت میں طلبہ کی تنظیمیں سرگرم عمل ہو گئیں۔ یہ غالباً ہر سطح پر جماعت کے کارکنوں کے بے پایاں اخلاص کا ثمرہ تھا کہ اس کے نتیجے میں انتہائی سرگرم، پرعزم اور باصلاحیت نوجوانوں کی ٹیم سامنے آگئی، جن سے مستقبل میں بہت کچھ توقعات وابستہ کی جانے لگیں۔ انہوں نے خاص طور پر طلبہ اور نوجوانوں میں کام کو اپنا موضوع بنایا اور اس کے لئے پورے طور پر مصروف جدوجہد ہو گئے۔ جماعت نے اپنے اس نئے خون کا پرجوش استقبال کیا اور اس کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی۔

یہاں تک کہ انکی رعایت میں جماعت میں وہ بعض روایات قائم ہوئیں جن کا اس سے پہلے تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ جماعت نے اپنے ان مخصوص کارکنوں کو طلبہ اور نوجوانوں میں کام کیلئے فارغ تصور کیا۔ نظم جماعت میں رہتے ہوئے انہیں جماعتی ضوابط سے یک گونہ بالاتر رکھا گیا۔ انہیں اس کی اجازت دی گئی کہ مقامی جماعتوں کے بجائے اپنی کارکردگی کی رپورٹ مرکز کو دیں۔ یہاں تک کہ جماعت کے ہفتہ وار اجتماعات جن میں شرکت کے بغیر جماعت سے تعلق کا اس سے پہلے کوئی تصور نہ تھا طلبہ اور نوجوانوں میں کام کیلئے فارغ مخصوص نوجوانوں کو ان اجتماعات کی شرکت سے بھی مستثنیٰ رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہاں تک کہ مرکز جماعت کی یہ غیر معمولی عزت افزائی کا انجام کار اس حد تک پہنچے بغیر نہ رہی۔ کہ جماعت کے اندر "مافوق ارکان" (SUPER MEMBERS) کا ایک طبقہ وجود میں آگیا جو کسی بھی مسئلہ میں مرکز، امیر جماعت اور قیم جماعت سے کم کسی سطح سے گفتگو کا روادار نہ تھا۔ مقامی سطح سے علاقہ، علاقہ سے حلقہ اور حلقہ سے مرکز کی تدریج اور معروف روایت کے بجائے معاملات "مخصوص نوجوانوں" اور مرکز کے

درمیان گردش میں رہ گئے" اور بقیہ نظم جماعت ایک طرح سے ثانوی اور بسا اوقات مجہولیت کا شکار رہنے لگا۔

اپنے پیش رو نوجوانوں کی علمی و فکری استعداد کے برعکس موجودہ نوجوانوں کی تبلیغی، دعوتی اور تحریکی اٹھان کو مرکز جماعت کا یہ خصوصی تعلق بھی مطمئن نہ کر سکا۔ چنانچہ آگے جماعت کی باضابطہ اجازت کے بغیر محض باہمی خاموش اعتماد کی بنیاد پر طلبہ کی باقاعدہ تحریک کا قیام عمل میں آگیا جسے بجا طور پر غالباً اسی باہمی خاموش اعتماد کے نتیجے میں جماعت کے اندر اور باہر ہر جگہ اسی کا طلبہ کا بازو (STUDENTES WING) تصور کیا گیا۔ لیکن یہ بازو جس نے تنظیمی طور پر بالکل جماعت کی لائن پر مقامی سطح سے لیکر صوبائی اور مرکزی سطح تک اپنے کو منظم اور جزوی ترمیمات کے ساتھ دستور جماعت کا چربہ اور کر اپنا الگ دستور مرتب کر لیا تھا، جماعت کا بازو اسی حد تک تھا کہ ہر سطح پر یہ اپنے فیصلے اور معاملات میں آزاد رہے۔ البتہ جماعت انکے ہر فیصلے کی توثیق اور اس پر بلا چوں و چرا صاد کرتی رہے۔ اپنے بڑوں سے بیزاری اور ان سے بڑی حد تک بے نیازی کا بجا یا بیجا جو جذبہ ان نے اپنے اندر پروان چڑھا لیا تھا، اسکی موجودگی میں یہ چیز کچھ غیر متوقع بھی نہ تھی۔ یہ بیزاری بجا بلکہ بسا اوقات محمود اور دین و ملت کیلئے باعث خیر و فلاح ہوتی اگر اسکی اپنی الگ فکری بنیادیں یا طریقۂ کار اور لائحۂ عمل ہی کا واضح اختلاف ہوتا۔ لیکن قابل لحاظ انداز میں اس طرح کی کسی چیز کے سامنے نہ آنے اور بظاہر اس نئی صف میں فکری خلا کی نشاندہی کرنے کے ساتھ یہ صورت حال اس خواہش کے سوا دوسری چیز کی ترجمانی نظر نہ آتی تھی کہ تحریک کی بوڑھی قیادت کو زمام کار اب نوجوانوں کے سپرد کر دینی چاہیئے۔ یہاں تک کہا جانے لگا کہ ہند میں جماعت اسلامی کے دن پورے ہو چکے۔ اب زمانہ نوجوانوں کے دور کا منتظر ہے۔ حالات کا رخ صاف بتا رہا تھا کہ اس طرح طلبہ تحریک کے نام پر جماعت کے اندر ایک ایسے بالا دست گروہ (PRESSURE GROUP) کی تشکیل مقصود ہے، جس کی مرضی کے بغیر اسکا نظام حرکت نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ تنظیمی ڈھانچے پر اسے ایسا کنٹرول حاصل ہو جائے کہ وہ حسب دلخواہ جماعت کو جس رخ پر لے جانا چاہے، اسے کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ اس دوران طلبہ میں کام جس انداز سے آگے بڑھا تھا یہ اسکا عین فطری تقاضہ تھا۔ طلبہ اور نوجوانوں میں مخصوص

نوجوان کارکنوں" کے ذریعہ جو کام ہوا اس میں زیادہ تر نوجوانوں کا کل مرجع و مَوئل جماعت سے کٹ کر یہی نوجوان تھے جو براہ راست طلبہ تنظیم کی قیادت کر رہے اور اس کے ذمہ دارانہ مناصب پر فائز تھے۔ اس ابلاغی خلا (COMMUNICATION GAP) کے ہوتے ہوئے جماعتی فکر اور جماعتی ذہن و مزاج کی پختگی، جماعت کی تاریخ اور خاص طور تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں تحریکی قیادت اور اس کی بے مثالی قربانیوں کی تو نوواردوں کو کیا اطلاع ہوتی چنداں تعجب نہیں کہ تحریک و جماعت کے سلسلے میں مجہولیت کا شکار رہنے کے ساتھ بسا اوقات انکے تئیں مخصوص نوجوانوں کے منفی جذبات و تاثرات کے نتیجے میں انکے اندر تحریک و جماعت کے سلسلے میں سرد مہری سے آگے شکوک و شبہات اور بدگمانیاں پیدا ہو چلی اور آگے پروان چڑھی ہوں۔ منفی رجحان اور منفی جذبات و تاثرات افراد کو یوں بھی ایک دوسرے سے دور کرنے کا بڑا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ اگر بیچ میں مزید واسطے بھی پیدا ہو جائیں تو اسکی دوری کی رفتار کا تیز تر ہو جانا تقریباً یقینی سا ہے۔

ہر مسلمان کو اپنے دوسرے بھائی کے تئیں خوش گمانی اور حسن ظن رکھنا لازمی ہے۔ اخلاص اور نیت پر تو شک کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ امت کے بوڑھوں اور بزرگوں کی طرح نوجوانوں کو بھی دین و ملت کی خدمت کرنے کا اسی طرح حق حاصل ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی سوچ کے نتیجے میں انھیں اپنے لئے بجا طور پر الگ پلیٹ فارم اور علیحدہ لائحہ عمل اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ حسب ضرورت دین کے بنیادی مآخذ کی روشنی میں انہیں اپنے بڑوں پر تنقید اور انکی لغزشوں اور کوتاہیوں کو سامنے لانے کا بھی لازماً پورا حق ہے۔ بلکہ بسا اوقات یہ انکی اہم ترین ذمہ داری اور پوری امت کی طرف سے ایک فرض کفایہ کی ادائیگی قرار پا سکتی ہے۔ اس وقت ہندوستان کی حد تک امت میں "الجماعۃ" کا کہیں وجود نہیں ہے جو خدا و رسول ﷺ کی طرف سے صرف اپنے حق میں صداقت کی سند رکھتی ہو، جس سے ہٹ کر آدمی کیلئے بس گمراہی ہی کا سامنا ہو۔ ملت اسلامیہ ہند کے مختلف ادارے اور تنظیمیں جو قرآن و سنت کی اساس پر مختلف دائروں میں کام کر رہی ہیں۔ دین و ملت کی بعض ضرورتوں اور ان کے بعض تقاضوں کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ حالات و ضروریات کے لحاظ سے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر، جزوی وکلی اور فروعی

اور اصلی اور حقیقی وغیرہ کے اختلافات ان میں باہم ہوسکتے ہیں لیکن اس سے آگے حق کو اپنے اندر محصور اور دائر قرار دینے کا حق کسی تنظیم اور ادارے کو نہیں ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ امت میں کوئی اس کا دعویدار بھی نہیں۔ ایسی صورت میں نئے نئے اداروں کی طرح دین و ملت کی مختلف ضروریات کے تحت نئی نئی تنظیموں اور جماعتوں کی نہ صرف اجازت بلکہ ان کی ضرورت سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کرسکتا۔ اور سچ یہ ہے کہ اخلاص و للہیت کے ساتھ اگر منزل متعین اور خطوط کار واضح ہوں تو مختلف اداروں کی طرح اس طرح کی تنظیمیں بھی دوسرے کے لئے دست و بازو اور اس کیلئے مفید اور معاون ہیں۔ ذہنی و شعور کے بلوغ اور پختگی کے ساتھ آدمی براہ راست دین کا مکلف قرار پاجاتا ہے۔ جسمیں دین کی انفرادی سطح کی ذمہ داریوں کے ساتھ اجتماعی دینی ذمہ داریاں بھی اسی طرح شامل ہیں۔ اس صورت میں ملت کے بزرگ اور عمر رسیدہ لوگوں کی طرح نوجوانوں کو بھی مختلف اداروں کی طرح نئی نئی تنظیمیں اور جماعتیں بنانے کا حق بھی بہر نوع حاصل ہے۔ اور انکے اس حق کو خدا و رسولؐ کی سند حاصل ہے جسے کسی صورت چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی مانے بغیر چارہ نہیں کہ ہر ادارہ کی طرح تنظیم و جماعت کے بھی اپنے مصالح اور مفادات ہوتے ہیں۔ "سلطنت در سلطنت" کوئی چھوٹا سا ادارہ بھی اپنے اندر برداشت نہیں کرسکتا اور نہ اسے ہرگز برداشت کرنا چاہئے اگر وہ اپنے مقصد اور مشن میں مخلص ہے۔ سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہم کے آخری دور میں بھی کچھ صورت حال تھی جس کا بڑی حد تک تحریک اسلامی ہند کو سامنا تھا۔ اپنے مزاج کی "عثمانیت" اور بیرون ملک جماعت کے تعارف و تشہیر کے اپنے بے لوث اور مخلصانہ مشن میں غالباً وہ طلبہ تحریک کے اس مسئلہ کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکے۔ جس کے نتیجے میں کہا جاسکتا ہے کہ تحریک کسی حد تک تنظیمی بحران سے دوچار تھی۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وقفہ مزید دراز ہوتا تو وہ اس سے بخیر و خوبی عہدہ برآ ہونے میں کامیاب ہو پاتی۔ جبکہ طلبہ تحریک اپنے [illegible] ہوئے وسائل کی بدولت مختلف انداز سے تحریکی کارکنوں کی توجہ کارکنوں کو کشید اور انہیں متاثر کرنے لگی تھی۔ جس کی زد سے اسکے نمایاں ترین لوگ تک محفوظ نہ تھے یہ وہ حالات تھے جسمیں اواخر ۸۱ء میں جماعت کی قیادت کیلئے مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی

کو دوبارہ مرکز جماعت طلب کیا گیا۔

سوچنے کا ایک ہی زاویہ نہیں ہے کہ مولانا محترم جماعت کے اندر امارت سے کم حیثیت میں کام کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ جماعت میں آپ سرگرم ابھی وقت تک رہے جب تک کہ اس کی قیادت آپ کے ہاتھ میں رہی۔ اس عہدے سے سبکدوش ہوتے ہی آپ گوشہ نشین اور تحریک سے بالکل کٹ گئے۔ البتہ امیر جماعت کی حیثیت سے جب دوبارہ آپ کا انتخاب عمل میں آگیا تو آپ سرگرم کار ہوگئے۔ سوچنے کا دوسرا انداز بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح تحریک کے اس بے لوث خادم نے چوتھائی صدی کی انتھک جد و جہد اور بے مثالی قربانیوں سے اسے اپنے پیروں پر کھڑا کیا، اور اسے اپنے خون جگر سے سیراب کیا تھا، ایک ایسے وقت میں جبکہ اس نے اسے تنظیمی ناہمواری سے دوچار پایا اور اسے دوبارہ جماعت کی طرف سے اس کی قیادت سنبھالنے کیلئے طلب کیا گیا تو اپنی ذاتی امکانی تلخیوں اور ناگواریوں کو بالکل نظر انداز کر کے ایک بار پھر امارت کے بار گراں کو اٹھانے کیلئے اپنے کو آمادہ کرلیا۔ اپنے دو سالہ دور عزلت نشینی میں افتاد طبع سے ہٹ کر مولانا موصوف کے رد عمل اور آپ کے طرز عمل کی حکمت و مصلحت کی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں۔ لیکن آگے جب تحریک و جماعت کے مصالح نے اس سے تقاضا کیا تو وہ اپنے ذاتی احساسات و جذبات سے بلند ہوکر تحریک کیلئے دوبارہ اسی طرح سرگرم کار ہوگیا کہ جیسے کہ اس سے پہلے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ بڑے ظرف اور کشادگی کی ضرورت ہے کہ آدمی امکانی ناگواریوں کے ساتھ ایک منصب سے دست بردار ہو لیکن ادارہ کے مفاد میں دوبارہ واپسی میں اسے تامل نہ ہو۔ مولانا کی بے نفسی اور تحریک و جماعت کیلئے بے پایاں اخلاص اور صدیقیت سے بجا طور پر یہی توقع تھی۔ جسے آپ نے عملاً پورا کر دکھایا۔ تحریک کی مصلحت و مفاد اور اس کے نظام کا بقا مطالبہ کرتا ہے کہ اسی دوسری توجیہ کو راجح اور قابل قبول قرار دیا جائے۔ ورنہ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا اگر ہم اپنی اعلیٰ ترین قیادت پر جس کی تحریک کیلئے قربانیاں کالشمس فی رابعۃ النہار عیاں ہیں، اعتماد نہیں کرسکتے اور اسکی بے لوثی و اخلاص کو بھی محل نظر قرار دیتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ پھر دوسروں کی بے لوثی اور ان کے قابل اعتماد باقی رہنے کی کیا ضمانت باقی رہتی ہے؟ جبکہ یہ چیز موضوع گفتگو بن سکتی ہو کہ تحریک کو کس نے کتنا دیا ہے اور اس

سے کیا گیا ہے۔

مولانا کے تشریف لانے ہی تحریک کی پالیسی و پروگرام کی یکسوئی بحال ہونے لگی۔ اندرون ملک ارکان سے ربط اور دوروں وغیرہ کی جو کمی پیدا ہو گئی تھی آپ نے اس کی طرف اولین توجہ دی، اور آسام سے لیکر کیرالا تک آپ نے اپنی دن رات کی مشقت سے ایک کر ڈالا۔ اس عمر میں اور ان معمولی سہولتوں کے ساتھ اپنے دوسرے دور امارت میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نے جماعت کو اندرون ملک سرگرم اور اس کے قبلے کی یکسوئی کیلئے جو بے مثال محنت اور جد وجہد کی ہے توقع ہے کہ ان شاء اللہ وہ جماعت کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اس کے پہلو بہ پہلو آپ نے طلبہ تحریک کے مسئلہ پر بھی فوری توجہ مبذول کی۔ چنانچہ آپ ہی کی زیر قیادت تحریک کی تازہ پالیسی پروگرام میں جماعت کا یہ تاریخ ساز فیصلہ سامنے آیا کہ طلبہ کی آزاد تنظیم سے ہر طرح تعاون کرنے اور انکا تعاون لینے کیساتھ جماعت کل ہند سطح پر براہ راست اپنی سرپرستی میں ایک الگ تنظیم کا قیام عمل میں لائے گی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ آج ملک میں تحریک اسلامی کے ساتھ ساتھ طلبہ تنظیم کے یہ دونوں حلقے پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ اور انھیں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلصانہ تعاون حاصل ہے۔ خدا کرے کہ انکا یہ اخلاص و تعاون روز بروز فزوں تر ہو۔ ملک و ملت کو دین کے مخلص کارکنوں کی شدید ضرورت ہے۔ جن سے بجا طور پر ملت کی بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ اسی پس منظر میں ایس آئی او کے قیام کے بعد مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کے یہ الفاظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں کہ "ہم نے کوئی دوکان نہیں کھولی ہے کہ باہم مسابقت اور رقابت کا سوال پیدا ہو" نیکی (دین) اور تقوی کا کام اگر اخلاص سے ہو رہا ہے تو اس مقصد سے ایک نہیں دس تنظیمیں پیدا ہو جائیں تو ہر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کے ساتھ اس کے لئے معین و مددگار ثابت ہوگی اور اس مدد و تعاون کو اپنی دینی ذمہ داری تصور کریگی۔ تحریک حوصلہ مند نوجوانوں کو پورے طور پر کیوں نہیں اپنا سکی۔ اس سلسلے میں اگر جماعت کی کوئی کمی ہے تو اسے اس پر سوچنا چاہئے اور اگر نوجوانوں کی کوتاہی کا اس میں دخل ہے تو انہیں بھی اپنے رویئے کے سلسلے میں ٹھنڈے دل سے غور کرنے اور پوری طرح سے اس کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ اپنے نوجوان دوستوں

سے ہم یہ گزارش کئے بغیر نہیں رہیں گے کہ جنکی صلاحیتوں اور جنکی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کا ان سطروں کا لکھنے والا دل سے قدر داں اور پوری طرح معترف ہے اور حسب موقعہ وہ اس کا برملا اظہار بھی کرتا رہا ہے کہ کسی بھی دینی تنظیم کیلئے واضح اور ممیز نصب العین اور طریقہ کار ناگزیر ہے جس کے ذریعہ سے دوسری تنظیموں کے بالمقابل الگ اور ممتاز کیا جاسکے۔ مگر اور نصب العین میں اتحاد کے باوجود اگر طریقہ کار اور لائحہ عمل کی تعیین کا اختلاف ہو تو اسے بھی بالکل واضح اور ممتاز ہونا چاہئے۔ اور اسکی مسلسل وکالت کے ساتھ تنظیم کے وابستگان کو اسکی مسلسل تفہیم اور یاد دہانی ہوتی رہنی چاہئے۔ اس کے بغیر کوئی تنظیم اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے میں بمشکل کامیاب ہو سکتی ہے۔ آزاد تنظیم کے وجود و بقاء اور توسیع و ترقی کیلئے نصب العین اور طریقہ کار کی وضاحت و امتیاز کے ساتھ انتہائی ضروری ہے کہ کچھ افراد اسے چلا کر بیٹھ جائیں اور اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آزاد طلبہ تنظیم تنظیم کے اس لازمی تقاضے کی جانب خاطر خواہ توجہ دے گی۔ اور اس طرح ایک تنظیم کے قیام اور اسے اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی جو انتھک اور طویل جد وجہد کی گئی ہے وہ پوری طرح نتیجہ خیز اور کارگر ثابت ہوگی۔ تحریک اسلامی ہند کے مذکورہ تاریخی فیصلے کے نتیجے میں جبکہ طلبہ تحریک کے سلسلے میں مبہم صورت حال (CONFUSION) کا غبار صاف ہو چکا ہے مسئلہ مزید توجہ کا طالب ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے احباب کیلئے اس سلسلے میں صحیح سوچ اپنانے اور اسے روبہ عمل لانے کی توفیق عطا کرے۔

مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کے دوسرے دور امارت کے یہ وہ عظیم الشان کارنامے ہیں جنہیں تحریک اسلامی ہند کی تاریخ میں کبھی بھلایا نہ جاسکے گا۔ اندرون ملک تحریک کی سرگرمی اور قیادت کے براہ راست ربط کی کمی کے باعث ایک طرح کے تنظیمی اضمحلال اور سرد مہری کا خاتمہ، اور طلبہ تحریک کے مسئلہ سے کامیاب عہدہ برآری جس نے جماعت و تحریک کو بڑی امکانی آزمائش سے محفوظ کر لیا۔ دوسرے دور امارت کے مختصر عرصے میں اندرون ملک اپنے کثیر اور طویل ترین دوروں کے علاوہ مولانا محترم بیرون ملک کے بھی ایک سے زائد سفر کئے جس کے نتیجے میں باہر کی دنیا میں بھی تحریک اسلامی ہند کا بڑا اچھا تعارف اور اس کا خاطر خواہ وزن محسوس کیا گیا۔ اس کے باوجود اگر اندرون ملک امیر جماعت کی بڑھتی ہوئی مصروفیات

کے نتیجے میں بیرونِ ملک تحریک کے تعارف و تشہیر کا کام کسی درجے میں متاثر ہو رہا ہو تو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا جماعت کے سکریٹریٹ میں خارجہ سکریٹری کے اہم منصب کو بحال کئے بغیر صحیح معنوں میں اس کمی کو پورا بھی نہیں کیا جا سکتا۔ توقع ہے کہ تحریک اسلامی ہند اس طرف قرار واقعی توجہ صرف کرے گی۔ مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی کے جاری دوسرے دورِ امارت پر نظر ڈالنے والا اس سے ابھرنے والے آپ کی شخصیت کے اس نمایاں پہلو کو بھی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس کی طرف مضمون کی ابتداء میں اشارہ کیا گیا۔ یعنی آپ کی شخصیت کا علمی پہلو اور فکری رہنمائی کی خداداد صلاحیت۔ جماعت کے اجتماعات میں تقریریں اور پریس کانفرنسیں اور تحریک و جماعت اور ملک و ملت کے سلسلے میں آپ کے مفصل بیانات اور وضاحتیں وغیرہ جن میں آپ کے ذہن کی جودت اور تیزی اور دور بینی اور دور نگاہی اپنے اوج کمال پر دکھائی دیتی ہے مسلسل دس بارہ سال اس میدان سے بالکل کٹے رہنے کے بعد مولانا دوبارہ تشریف لائے تو دوسرے پہلوؤں سے تازہ دم رہنے کے ساتھ آپ کی علمی اور فکری صلاحیتیں بھی اسی طرح تر و تازہ اور ثمر بار رہیں۔ "فرقہ بندی اور اسلام" اور "ہندوستان میں دعوت اسلامی" وغیرہ طویل مقالات جن میں سے بعض اپنے اندر ایک پوری کتاب کا نقشہ رکھتے ہیں، اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ کاش کہ جماعت فائلوں میں بند مولانا کی دوسری تمام تحریروں کو بھی کتابی شکل میں منظرِ عام پر لا سکتی تو علمی خدمت کے ساتھ جماعت پر واجب مولانا کے ایک اہم قرض کی ادائیگی کا بھی سامان ہوتا۔

بقیہ: پروفیسر جلیل کا اعتراف

اردو والوں نے اپنی وضع قطع بھی کچھ اس ڈھنگ کی رکھی کہ جس سے دلکشی اور حسن ٹپکتا ہے۔ اردو نے ہمیشہ پیار و محبت کا سبق دیا۔ دلوں کو توڑنے کے بجائے جوڑنے کی روش عام کی۔ وصل پر زور دیا، فصل سے پرہیز رہا۔ حکومت اور اکثریت کے ظلم و ستم کے مقابلے میں اردو والوں کا صبر و تحمل اور اسی جذبۂ ایثار سے ملک و قوم کی خدمت کرنا کیا ان کی امتیازی تہذیب نہیں ہے؟ جبکہ دیگر لسانی قوموں نے زبان کے مسائل کو تشدد کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی ہے، خود ہندی والوں نے خون خرابے کیے ہیں۔ اردو کی یہ اعلا تہذیب" اپنے کمال کی داد چاہتی ہے!

سمینار

ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس۔

زیرِ اہتمام: انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

آج ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ ہندو فرقہ پرستی اپنے عروج پر ہے سیاسی پارٹیاں اقتدار کی رسہ کشی میں ملک کی روایات، جمہوری اقدار اور تہذیبی سرمایہ کی پرواہ کئے بغیر مصروف ہیں اور مسلمان ماضی سے بیگانہ، مستقبل سے غافل خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں، مدارس عربیہ ہی وہ ادارے ہیں جو اپنے بچے کھچے سرمایہ کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ یہ مدارس ہندوستان میں اسلامی تہذیب کا لال قلعہ ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ انکے وسائل محدود ہیں، انکی راہ میں مشکلات و مصائب کے پہاڑ کھڑے ہیں اور انکی مادی صورتحال ناگفتہ بہ ہے لیکن اس کے باوجود فکر اسلامی کی ترویج اور نئی نسل کی تربیت میں اور مسلمان عوام کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کیلئے انکی جو خدمات ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بعض ایسے اہم سوالات ہیں جو ہر باشعور فرد کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔

کیا اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ معیار مطلوب تک انجام پا رہا ہے؟ نصاب تعلیم میں عصری تقاضوں کی رعایت ہے؟ طلبہ و اساتذہ اپنے نصب العین سے صحیح معنوں میں وابستہ ہیں؟ ملت کے ہمہ جہتی مسائل کو حل کرنے میں ان مدارس کا کردار نمایاں ہے؟ ملک کے معماروں میں انکا نام بھی آتا ہے؟ غالب اکثریت کو اسلام کی دعوت سے واقف کرانے کی انہیں فکر ہے؟ ان کے افکار و نظریات اور ادیان و مذاہب کے مطالعہ کا ان اداروں میں کوئی انتظام ہے؟ اور اس طرح کے متعدد سوالات ہیں جن پر غور کرنے کیلئے انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی نے ۲۸، ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو منعقد ہونے والے کنونشن میں ایک تعلیمی سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا مرکزی موضوع ہے "ملک و

ملت کی تعمیر اور دینی مدارس"۔ اس سیمینار میں بلا تفریق مکتب و مسلک تمام مدارس عربیہ کے علماء کو شرکت کرنے کی دعوت دی گئی ہے اب تک جن علماء کرام کی شرکت کی منظوری مل چکی ہے انمیں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

۱۔ حضرت مفتی فضیل الرحمن عثمانی مالیر کوٹلہ پنجاب

۲۔ حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری نیپال، رکن رابطہ عالم اسلامی

۳۔ " " عبدالوہاب خلجی ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث ہند

۴۔ " " عبداللہ مدنی نیپال ۵۔ محترم مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلی

۶۔ محترم کاکا سعید احمد عمری جامعہ دارالسلام عمرآباد ۷۔ محترم ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب لکھنؤ۔

۸۔ حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی ندوۃ العلماء لکھنؤ

۹۔ " سلطان احمد اصلاحی ادارہ تحقیق و تصنیف علی گڑھ

۱۰۔ ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی شعبہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۱۱۔ " عبدالقیوم ڈائرکٹر مرکز فروغ سائنس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۱۲۔ " محمد یسین مظہر صدیقی شعبہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۱۳۔ پروفیسر اکبر رحمانی جلگاؤں مہاراشٹر

۱۴۔ ڈاکٹر ظفرالاسلام خاں انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی

۱۵۔ مولانا محمد طاہر مدنی جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ ۱۶۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد نئی دہلی

ان کے علاوہ عالم اسلام کے معروف مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور امیر جماعت اسلامی ہند محترم مولانا سراج الحسن صاحب مدظلہ العالی کی شرکت کی توقع بڑھتی جا رہی ہے جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد دہلی کے اعلیٰ عہدیداران کی شرکت کی کوشش کی جا رہی ہے قارئین سے درخواست ہے کہ سیمینار کی کامیابی کیلئے دعا فرمائیں اس موضوع سے متعلق اپنے مفید مشوروں سے نوازیں تاکہ یہ سیمینار دینی مدارس کے مطلوبہ کردار کی بحالی میں سنگ میل ثابت ہو۔

مراسلت کا پتہ

ڈاکٹر عبداللہ فہد فلاحی

بیت العذراء، جامعہ اردو روڈ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

نصرت ایزدی کے حیرت فروش منظر

مولانا نور محمد وانہ

۲۲ر رمضان المبارک، یکم مئی ۱۹۸۹ء کو میں کسی مہم کے لیے افغانستان جا رہا تھا۔ ہمارا قافلہ دو پک اپ گاڑیوں پر مشتمل تھا جس میں سندھ، پنجاب اور سرحد کے علمائے کرام تھے جن کا تعلق "حرکت الجہاد الاسلامی العالمی" سے تھا۔ مولانا سعادت اللہ صاحب جو حیدرآباد کے رہنے والے اور جامعہ علوم اسلامیہ کراچی سے فارغ التحصیل ہیں، میرے ہمسفر تھے۔ مولانا موصوف مجاہد عالم اور نڈر مجاہد ہیں۔

میں نے مولانا سے پوچھا کہ آپ نے حسن جہاد میں کسی ایسے واقعہ کا ذاتی طور پر مشاہدہ کیا ہے جسے آپ نے محض تائید غیبی سمجھا ہو۔

مولانا موصوف نے بتایا کہ ۱۹۸۲ء سے میں جہاد میں شریک ہوا ہوں اور بحمد للہ ابتک (۱۹۸۹) میں اسی مشغلے میں مصروف ہوں۔ اس سات سالہ زمانہ جہاد کی ابتداء ہی میں چند ایمان پرور واقعات کا مشاہدہ ہوا اس کے بعد جہاد افغانستان کی حقانیت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ لمحے بھر کیلئے میرے دل میں کوئی خلش پیدا ہوئی نہ میں نے مخالفین کے دلائل پر کان دھرا۔ واقعہ یہ تھا کہ ولایت پکتیکا میں ارگون چھاؤنی کے محاذ پر دباؤ ڈالنے کیلئے ہم نے ایک پہاڑی کے اوپر دھشکا گن نصب کی تھی اس گن سے ارگون چھاؤنی اور اس کے آس پاس دشمن کو آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ رات کے وقت دھشکا پر صرف چار مجاہد پہرہ دیا کرتے۔ غالباً مجاہدین کی صفوں میں موجود جاسوسوں نے دشمن کو خبر دی، چنانچہ کابل فوج اور روس کے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے ان مجاہدین کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ ایک بلند پہاڑی چوٹی پر دشمن کی فوج جس کی کمان ایک روسی افسر کر رہا تھا مورچے بنا چکی تھی ہمارا مرکز اگرچہ کچھ فاصلے پر تھا تاہم رات بھر ٹینکوں کی آوازیں سنتے رہے۔ ہمارا خیال تھا شاید یہ

کا بڑی دقت سے سامان گرایا ہوگا اور پھاڑی والے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سامان سنبھال رہے ہوں گے۔

جب صبح دشنگ پر متعین مجاہدین نے دشمن کو اپنے گرد مورچہ زن دیکھا تو انھوں نے فائر کھول دیا۔ فائر کی آواز سنتے ہی ہم سب مجاہد مرکز سے دشنگ کی طرف دوڑنے لگے مگر دشمن نے پورے علاقے پر توپوں، مارٹروں، مشین گنوں کے دہانے یوں کھول دئے کہ ہم نے بچاؤ کی خاطر دو پہاڑیوں کے درمیان گہرے نالے کی اوٹ میں پناہ لی اور اپنے ساتھیوں کی طرف پیش قدمی کرتے رہے۔

مولانا سعادت اللہ نے فرمایا کہ اس دوران مجھے پیشاب کی شدید حاجت ہوئی میں نے اپنے کمانڈر کی منت کی مجھے پیشاب کرنے کی اجازت دی جائے جسے میں کنٹرول نہیں کرسکتا۔

میری گزارش سنتے ہی باقی مجاہدین نے بھی بیک آواز پیشاب کرنے کی اجازت چاہی چنانچہ کمانڈر صاحب نے اجازت دے دی کا یوں ہمارے آگے بڑھنے میں آٹھ دس منٹ کی تاخیر ہوئی۔ قضائے حاجت کے بعد جب ہم نے پھر ساتھیوں کی طرف دوڑنا شروع کیا تو دشمن نے اسی نالے پر باداں مارٹر کے گولے برسانے شروع کردئیے۔ لیکن یہ گولے ہمارے آگے آگے وقت کے اتنے فاصلے پر گرتے جتنی دیر ہم پیشاب کے لئے رکے تھے۔ بعد میں ہمیں اندازہ ہوا کہ ہمارے قریب ہی کہیں مخبر ہے جس نے دشمن کو ہمارے دوڑنے کی ٹھیک جگہ اور ٹھیک وقت وائرلیس کے ذریعے بتایا تھا۔ مگر قدرت نے پیشاب کی آمد کے سبب ہماری رفتار میں تاخیر کی۔ یوں ہم دشمن کے گولوں کی زد سے بچ گئے۔ اگرچہ بتانے والے نے صحیح بتایا تھا اور نشانہ بازوں نے صحیح نشانہ باندھا تھا۔

مکروا ومکر اللہ واللہ خیرالماکرین (انھوں نے چال چلی اور اللہ نے بھی چال چلی اور اللہ سب سے اچھی چال چلنے والا ہے)

اس طرح ہم چند مجاہد اپنے ساتھیوں کے قریب پہنچ گئے جب کہ دیگر مجاہدین پیاس

پیاس کی گھاٹیوں میں پھنسے رہے۔

بادل کا معجزہ

اب دشنگ والوں کے پاس اور ہمارے پاس مزید فائر کرنے کی گولیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ کمانڈر صاحب نے مجاہدین کو حکم دیا کہ اب فائر بالکل بند کردیں، ایک بھی گولی نہ چلائی جائے اور پانچ منٹ تک مسلسل نعرہ تکبیر بلند کریں چنانچہ ہر جگہ مجاہدین نے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کردئیے۔

مولانا موصوف کا کہنا تھا کہ نعرہ لگاتے وقت مجھے اپنی آواز غیر مانوس طور پر بہت بلند محسوس ہو رہی تھی۔ ٹھیک پانچ منٹ پورے ہونے سے پہلے دشمن کی فوج ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سمیت شکست کھا کر بھاگنے لگی حالانکہ اس وقت مجاہدین کی طرف سے ایک گولی بھی فائر نہیں ہوئی۔ بھاگتے دشمن کے گیارہ فوجی ہاتھ بلند کرکے اسلحہ سمیت تسلیم (سرینڈر) ہوگئے اور ان کے قریب فوادر فوجیوں کی لاشیں بھی پڑی تھیں۔

گرفتار شدگان سے ہم نے پوچھا کہ تم کیوں بھاگ رہے تھے اور کیوں تسلیم ہوئے تو وہ فارسی زبان میں کہنے لگے کہ عجیب سوال کرتے ہو۔ جب ہر چاروں طرف سے مجاہدین گروہ در گروہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے ٹوٹ پڑے تو بھاگنے یا تسلیم ہونے کے سوا ہمارے پاس چارہ ہی کیا تھا۔

اتنے میں کسی نے کہا کہ اس بلند ترین پہاڑ کی چوٹی پر روسی افسر جہنم رسید ہوا ہے اور اس کی شکل مسخ ہوچکی ہے۔ یہ سنتے ہی چند ساتھیوں نے صلاح دی کہ روسی افسر کی مسخ شدہ لاش دیکھنے پہاڑ کی چوٹی پر جائیں چنانچہ جذبہ فتح سے سرشار ہوتے ہوئے ہم پہاڑ کی نصف چوٹی پر پہنچے ہوں گے کہ گرمی کے مارے پیاس کی ایسی شدت ہوئی کہ آگے قدم بڑھانے کی سکت نہ رہی جبکہ نیچے پانی تک پہنچنے کے لئے دو گھنٹے کا پیدل سفر تھا۔

مولانا سعادت اللہ نے فرمایا کہ ہمارا ایک ساتھی نو وارد تھا وہ پہلی مرتبہ جہاد میں شریک ہوا تھا۔ وہ رونے لگا ہم نے اسے تسلی دی کہ فکر کی کوئی بات نہیں

اس جہاد میں اس سے مشکل ترین حالات میں اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے اور اگر موت مقدر ہے تو اس سے بڑھ کر نعمت کیا ہوگی۔

وہ ساتھی اور کچھ دیگر دوست کہنے لگے کہ کاش دشمن کی گولی لگ کر شہادت پالیتے مگر پیاس کی وجہ سے موت کا سامنا نہ کرتے۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا سخت گرمی اور ذہنی شکستگی سے کسی میں بھی چند قدم آگے بڑھنے کی تاب نہ تھی۔ آسمان بالکل صاف تھا، کہیں کوئی بادل نظر نہیں آرہا تھا

اس عالم میں ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اسی رونے والے ساتھی کو دعا مانگنے کے لئے کہا، چنانچہ اس نے روتے ہوئے دعا شروع کی اور ہم آمین کہنے لگے۔ اسی اثناء میں ہم نے دیکھا کہ پہاڑوں کی اوٹ سے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نمودار ہوا اور ہماری طرف آنے لگا اگرچہ ہمارے دلوں میں امید کی کرن پیدا ہوئی پھر بھی ہمارا خیال تھا کہ اگر بارش ہو بھی گئی تو ہمیں پانی کس طرح میسر ہوگا، جبکہ ہم پہاڑ کی تقریباً کی عمودی ڈھلوان پر تھے۔ قصہ مختصر جب بادل ہمارے سروں پر سایہ فگن ہوا تو قطروں کے بدلے جمی ہوئی برف برسانے لگا۔ فوراً ہم نے چادریں پھیلا کر ہاتھوں میں تھام لیں۔ تھوڑی دیر بعد ہماری چادریں منجمد برف کے چھوٹے دانوں سے بھر گئیں۔ اس طرح ہم نے صاف اور ٹھنڈے پانی سے جی بھر کر پیاس بجھائی اور یوں قدرت نے ہمیں موت کے منہ سے بچا لیا جبکہ اور کہیں بھی بارش ہوئی نہ برف کے دانے گرے۔ اتنے میں پہاڑ کی چوٹی سے چند آدمی ہماری طرف اترے جن کے ہاتھوں میں بوٹ اور دیگر سامان تھا ہم نے ان سے روسی افسر کا چہرہ مسخ ہونے کی تصدیق چاہی، انھوں نے کہا کہ یہ بات صحیح ہے۔ ہم وہیں سے آرہے ہیں اور ہم یہ سامان ان لاشوں سے لا رہے ہیں لیکن تم وہاں نہ جانا کیونکہ روسی اور افغان فوجی اس جگہ توپوں سے شدید گولہ باری کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنی اس پیاس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی ایک تدبیر سمجھا اور وہاں سے لوٹ آئے مولانا موصوف نے آخر میں فرمایا کہ یہ واقعہ میرا چشم دید ہے اور آپ بیتی بھی ہے اور میں اس پر قسم اٹھا سکتا ہوں مگر اس روزہ دار مجاہد

اور عالم دین کو قسم دلوانا میرے ایمان کی کمزوری کی علامت ہوتا اس لئے میں نے یہ جسارت نہ کی۔

دشمن کی گولیوں کا رخ تبدیل ہونا

مولانا سعادت اللہ صاحب نے دوران سفر مجھے یہ بھی بتایا کہ ارگون کے محاذ پر مولانا ارسلان صاحب جو عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مجاہد بھی ہیں اور اتحاد اسلامی کی جانب سے محاذ ارگون اور بلبکا کے کمانڈر بھی، انھوں نے مجاہدین کے مختلف گروہوں کو منظم کیا کہ چھاؤنی پہ دباؤ ڈالنے کیلئے مختلف مقامات پر بھاری مشین گنوں سے فائرنگ کی جائے۔ چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا موصوف نے فرمایا رات کے وقت دو طرفہ فائرنگ سے فضا میں پیدا ہونے والی رنگینی اور پر لطف کیفیت دیکھنے کے لئے میں نے پہرہ دینے کیلئے رات کا وہی وقت مانگ لیا تھا جس وقت کارروائی شروع ہوتی تھی کسی طرح دشمن کو ہماری مشین گن دہشکہ کا محل وقوع معلوم ہوگیا اور اس نے بالکل صحیح مقام پر بھاری مشین گنوں کے فائر کھول دیئے۔ رات کے وقت مشین گنوں کے فائر کرنے کا طریقہ جنگ یوں ہے کہ ہر پانچواں گولا روشنی کا فائر کیا جاتا ہے اس طرح فائر کرنے والے اور آس پاس سے نظارہ کرنے والے کو معلوم ہوجاتا ہے کہ گولے صحیح نشانے پر لگتے ہیں یا نہیں۔

اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ دشمن کے گولے ہمارے مورچے کے قریب جہاں ہمارے ساتھیوں نے دہشکہ نصب کی ہوئی تھی اوپر کی جانب جست لگا کر گزر جاتے ہیں۔ اس طرح ہم مجاہدین ان کی بوچھاڑ سے محفوظ رہتے ہیں۔

صبح مرکز میں مجاہدین کے سامنے میں نے اس کا ذکر کیا تو وہ مانتے نہیں تھے اور رات کو انھوں نے خود مشاہدہ کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ اگلی رات سب نے وہی منظر دیکھا جو میں دیکھ چکا تھا پھر بھی بعض ساتھیوں نے کہا کہ غالباً ہمارا مورچے کے سامنے کوئی بڑا سا پتھر ہے اور دشمن کے گولے اس پر لگ کر اوپر جست لگاتے ہیں۔ یہ احتمال درست نہ تھا اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو ضروری نہ تھا کہ ہر گولہ اوپر کی جانب جست لگا کر گزرتا بلکہ اکثر گولے

مختلف اطراف جست لگاتے نیز پتھروں گولے لگنے سے ایک الگ آواز پیدا ہوتی ہے جو یہاں سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس احتمال کی تحقیق کیلئے ہم نے دن کے وقت قریب سے دیکھا تو مورچے کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ تھی اب تمام ساتھیوں کو یقین ہوگیا کہ یہ سب قدرت کی طرف سے مجاہدین کے دفاع اور حفاظت کے لئے ہو رہا ہے۔

ایک ہزار انجانے مجاہدین

غازی محمد سفر ننگرہار کا بیان ہے کہ علاقہ جاجی میں ہم نے دشمن کا مقابلہ شروع کیا ہم بیس مجاہد تھے اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ۔ دوران جنگ ہم نے دیکھا کہ فوراً مجاہدین کی کثیر تعداد جو تقریباً ایک ہزار کے قریب ہے ہمارے ساتھ مل کر دشمن سے لڑ رہی ہے ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پہچانتے تھے جنگ ختم ہونے کے بعد وہ سب مجاہدین اچانک ہی غائب ہوگئے ہم نے انہیں بہت ڈھونڈا مگر کسی ایک کو بھی نہیں پا سکے ہم سمجھ گئے کہ یہ کون تھے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کیلئے اسی طرح فرشتے نازل فرماتا ہے۔

پراسرار سفید پوش

مجاہد کمانڈر جناب محمد عمر کابلی ایک درویش صفت اور زاہد انسان تھے ان کا بیان ہے ہم پچاس ساٹھ مجاہدین نے کمیونسٹوں کے قافلے پر حملہ کیا جو کیل کانٹے سے لیس تھے ان میں سے خاصی تعداد کو ہم نے قتل کیا ہم لوگ حملے سے واپس ہونے لگے تو دشمن کا ایک دستہ ہمارے سامنے تسلیم ہوگیا کابل فوج کے یہ سپاہی ہمارے پاس آکر کہنے لگے کہ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس مجاہدین کہاں ہیں ہم ان کے سامنے تسلیم ہونے آئے ہیں ہم نے انہیں بتایا کہ ہم میں کوئی سفید کپڑوں والا نہیں ہے۔ انہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں آیا تھا اور وہ بار بار کہتے تھے کہ ہمیں جن مجاہدین نے تسلیم ہونے پر مجبور کیا وہ تم لوگ نہیں ہو۔

جہاد کا ایک ایمان افروز واقعہ

جناب شیخ عبدالقدیر یغمان کے رہنے والے ستر سالہ مجاہد، نوجوانوں کے شانہ بشانہ مصروف جنگ رہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ۲۰۰ افراد حملہ کے لئے روانہ ہوئے جب

جنگ شروع ہوئی تو ہمیں اندازہ ہوا کہ ہماری تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت کم ہے یہ دیکھ کر میرا بیٹا حبیب اللہ جو مجاہدین کا کمانڈر تھا کہنے لگا کہ کہیں دشمن مجاہدین کا لباس بدل کر ہمارے اندر تو شامل نہیں ہوگئے ہیں جس کے نتیجے میں ہم سخت خطرے سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ پر توکل کرو۔

دشمن کی نفری آٹھ ہزار فوجیوں اور چار سو ٹینکوں، بکتر بند اور دیگر گاڑیوں پر مشتمل تھی، ہماری تعداد دو سو تھی، البتہ محاذ کے دوسری جانب مجاہدین کے دیگر جماعات نے بھی شرکت کی تھی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر نصرت دی۔ دشمن کے ۱۲۰۰ فوجی ہلاک ہوئے مجاہدین صرف ۷ شہید ہوئے اور جنگ ختم ہونے کے بعد ہماری تعداد دو سو رہ گئی باقی جو افراد ہمارے ساتھ شریک جنگ تھے، اب ان میں سے وہاں کوئی نہ تھا۔

حکایت

مجاہد عبد اللہ یغمانی کا بیان ہے کہ یغمان میں روسی فوج نے زبردست حملہ شروع کیا جس کے نتیجے میں مجاہدین پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئے۔ خاصی تعداد میں مقامی لوگ بھی شہید اور زخمی ہوئے لیکن ہماری پسپائی کے باوجود لڑائی بدستور جاری رہی دشمن نے مقامی لوگوں کو وارننگ دی کہ یہاں سفید کپڑوں میں ملبوس مجاہدین دن رات ہمارے خلاف لڑائی جاری رکھے ہوئے ہیں، اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو ہم تمہارے خلاف بھرپور اور تباہ کن کاروائی کریں گے...... لیکن اللہ والوں کے خلاف بھلا وہ کیا کاروائی کر سکتے تھے

(بشکریہ اردو ڈائجسٹ لاہور پاکستان)

نادر موقع

"حیات نو" کے پرانے شماروں کی چند کاپیاں دفتر میں موجود ہیں جنہیں اپنی فائلیں مکمل کرنی ہوں، وہ پہلی فرصت میں دفتر سے ربط قائم کریں۔ اور مطلوبہ شماروں کی تفصیلات بھیج کر حاصل کریں۔ پرچوں کی صرف قیمت وصول کی جائیگی۔ ڈاک خرچ ادارے کے ذمے ہوگا

(منیجر)

نعت

ادریس ضیاؔر کلاتھ مارکیٹ
اعلی پور (بدایوں) یوپی

وہیں برسے گی رحمت بھی خدا کی
جہاں ہوگی اطاعت مصطفےٰ کی

منور کر گئی ہے دونوں عالم
عجب تھی روشنی غارِ حرا کی

ضروری تھی بہت ایذا رسائی
وہ دعوت دے رہے تھے کہ خدا کی

مدینے سے ابھی آئی ہے ہو کر
ادا مت پوچھئے بادِ صبا کی

ستم کے پتھروں کو پھول سمجھا
کوئی دیکھے تو سیرت مصطفےٰ کی

بتوں میں سب کے سب الجھے ہوئے تھے
انہیں نے سب کو آزادی عطا کی

ضرورت کوئی سمجھے یا نہ سمجھے
ضرورت سب کو ہے خیرالوریٰ کی

تصور میں ابھی ان کی گلی ہے
ابھی پوچھو نہ کیفیت ضیاؔر کی

غزل

شفیع اللہ خان رازؔ اطہاری

مبتلائے غمِ جہاں ہیں لوگ
پھر بھی کہتے ہو شادماں ہیں لوگ

جائزہ لے رہی ہے تاریکی
روشنی میں کہاں کہاں ہیں لوگ

کون اب راستہ دکھائیگا
دشمنِ میر کارواں ہیں لوگ

گلستاں میں بہار لائے ہیں
پھر بھی محرومِ آشیاں ہیں لوگ

قطرہ قطرہ کو جو ترستے تھے
اب وہی بحرِ بیکراں ہیں لوگ

اشک پی کر بھی مسکراتے ہیں
آبروئے غمِ جہاں ہیں لوگ

دشمنِ جاں دکھائی دیتے ہیں
کس قدر مجھ پر مہرباں ہیں لوگ

حرمتِ آشتی پریشاں ہے
دشمنِ عظمتِ اماں ہیں لوگ

آئینوں کی تلاش میں رازؔ
کوہساروں کے درمیاں ہیں لوگ

ڈاکٹر اختر الزماں

پروفیسر جین کا اعتراض، ایک جائزہ

اُردو کے معروف ادیب پروفیسر گیان چند جین محقق کے علاوہ ماہر لسانیات، عروض داں اور اُردو زبان وادب کے بلند پایہ مورخ ہیں۔ اُردو کی پیدائش، اس کا ماخذ، ارتقاء، اُردو و ہندی کا لسانیاتی رشتہ، آپسی تنازعہ، اُردو کے مسائل اور ان کے حل کے بارے میں انھوں نے مصلحت کی پروا کئے بغیر جس آزادی سے لکھا ہے اور اپنی تجاویز پیش کی ہیں اس سے بعض حضرات کو جین صاحب کی نیت پر شبہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں وہ اُردو کی تاریخ اور اس کے مسائل سے کچھ اس طرح چھیڑ چھاڑ کرتے گزرتے ہیں کہ،

ان کے بعض بیانات سے اُردو کے مخالف طبقہ کو اُردو کے خلاف اچھا خاصا مواد فراہم ہو جاتا ہے اور مظلوم اردو کو اس کی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر امرت رائے نے " A HOUSE DIVIDED) میں جین صاحب کے بعض بیانات کو بنیاد بنا کر بڑی بے سروپا باتیں لکھ دی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جین صاحب کو اُردو سے ہمدردی ہے اور وہ اس کی حتی الامکان خدمت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُردو سے اپنی ذہنی اور جذباتی وابستگی کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ،

"اگر مجھے دوبارہ جنم ملے اور موضوع تعلیم کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو میں پھر اُردو زبان وادب کا انتخاب کروں گا۔" (ماہنامہ شاعر، گوشۂ گیان چند، شمارہ ۵-۶، ۱۹۸۱ء)
یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ علمی کاموں میں اختلاف کی گنجائش رہتی ہے، دوسرے جین صاحب نے

اختلاف کی اجازت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ،

"اختلاف کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن احترام کے ساتھ کیا جائے، میں نے اس قسم کے چند مضامین لکھے ہیں۔" (مکتوب جین صاحب بنام ڈاکٹر سید حنیف احمد نقوی، ماہنامہ شاعر، گوشۂ گیان چند صفحہ ۹)

ہندوستان میں آزادی کا سورج طلوع ہونے کے بعد ہی سے ہندی والوں اور حکومتِ وقت کے مسلسل منفی اقدام سے تنگ آکر اردو کے شیدائیوں نے اردو کے تحفظ اور بقا کے لئے متعدد تحریکیں چلائیں، جن کے زیرِ اثر بعض اصطلاحی الفاظ اور نعرے وجود میں آئے۔ "اردو زبان ہی نہیں، تہذیب بھی ہے۔" انہی نعروں میں سے ایک ہے۔ یہ محض ایک نعرہ ہی نہیں بلکہ بہت حد تک صداقت پر مبنی ہے۔ اردو زبان کے ساتھ جب "تہذیب" کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس وقت اردو کے بڑے سے بڑے مخالف کا سر نگوں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اردو کی مخالفت "بغضِ معاویہ" کے تحت کی جاتی ہے، ورنہ اس کی معصومیت، حسن اور ہر دلعزیزی کے سبھی قائل ہیں۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اپنی کتاب "اردو ہماری اردو" میں لکھا ہے کہ،

"اردو جینے کا ایک سلیقہ ہے، سوچنے کا ایک طریقہ ہے، اردو محض زبان نہیں، ایک طرزِ زندگی، ایک اسلوبِ زیست بھی ہے۔" (دو ماہی الفاظ، علی گڑھ، جنوری تا اپریل ۱۹۹۶ء صفحہ ۳۰)۔

ہر زبان کا ایک سماجی پہلو بھی ہوتا ہے اور ہندوستانی زبانوں میں اردو کو سماجی طور پر بہر حال ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ جین صاحب کبھی کبھی اردو کے سماجی پہلو کو یا تو نظر انداز کر دیتے ہیں یا اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نارنگ صاحب کی مذکورہ تحریر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ،

"کیا واقعی اردو یہ سب ہے؟ میں سوچا کرتا ہوں کیا "اردو کلچر" نام کی کوئی امتیازی کلچر قرار دی جا سکتی ہے؟ کیا زبان کی بنا پر تہذیبیں الگ ہو سکتی ہیں؟ میرے دادا

والدین اردو سے نابلد تھے اور میری بیوی بھی نابلد ہے۔ کیا ان کی اور میری تہذیب مختلف ہے اور کیا میری اور کرناٹک کے اردو بولنے والے مسلمانوں کی تہذیب ایک ہے؟ کیا کناڈا کے انگریزی اور فرنچ بولنے والوں کی تہذیبیں الگ ہیں؟ کیا سوئٹزرلینڈ میں جرمن اور فرنچ بولنے والوں کا طریقہ اور طرزِ زندگی مختلف ہیں؟ میں اس خیال کا حامی نہیں، تہذیبیں، علاقے مذہب اور سیاسی نظام کی بنیاد پر بنتی ہیں، زبان کی بنا پر نہیں۔" (دو ماہی الفاظ صفحہ ۳۰)

اردو کو جب "تہذیب" کہا جاتا ہے تو اس سے مراد جزوی تہذیب ہوتی ہے، مشرقی اور مغربی تہذیب کی طرح ایک مکمل تہذیب نہیں۔ پھر بھی یہاں لفظ "تہذیب" کا مفہوم واضح کیا جاتا ہے۔

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی صفائی، اصلاح، شائستگی اور انسانیت کے ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ جلد اول صفحہ ۶۳۳، ۱۹۷۴ء دلی)

رالف لنٹن کے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے، "تہذیب عقائد، جذبات اور روایات اور علامات کا ایک مجموعہ ہے جو ایک گروپ کے افراد کے کردار اور عمل کو متعین کرتا ہے۔ اس جغرافیائی اور تاریخی حالات کا نیز معیارِ زندگی، تعلیم، زبان اور ادب کا اثر ہوتا ہے۔" (بحوالہ، ہندوستانی تہذیب اور اردو، صفحہ ۱۱ شبنم سبحانی ایم اے، ۱۹۶۹ء علی گڑھ)

ڈاکٹر سید عابد حسین نے تہذیب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے، "اس کے سب سے مشہور معنی ہیں پاکیزہ و پسندیدہ اخلاق و آداب۔ جس شخص کی طبیعت چال ڈھال گفتگو اور برتاؤ میں موزونیت اور دلکشی ہوتی ہے وہ مہذب کہلاتا ہے۔"

(قومی تہذیب کا مسئلہ، صفحہ ۱۳، ۱۹۸۰ء دلی)

مولانا عبدالحلیم شرر رقم طراز ہیں، "دنیا میں ہر شخص کی شائستگی اور اس کی قابلیت کا پہلا اندازہ اس کے اندازِ گفتگو سے ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر اقبال مند قوم سب سے پہلے اپنی زبان کی اصلاح کرتی ہے اور اسے ترقی دیتی ہے۔" (گزشتہ لکھنؤ صفحہ ۳۴۷،

ستمبر ۱۹۷۱ء (لکھنؤ)

دانشوروں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ "تہذیب" کی تعمیر و تشکیل اور اس کی تراش و خراش میں ہر فرد کا کارنامہ ایک اہمیت کا حامل ہوتا ہے لیکن مجموعی طور پر ایک گروہ کے لوگ کسی تہذیب کو جنم دیتے ہیں اور اس کی آبیاری ہوتی ہے۔ تہذیب کسی تنہا شخص کی میراث نہیں۔ تہذیب کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ جس کا سب سے بڑا وسیلہ "زبان" ہے۔ یہ ممکن نہیں جس قوم کی زبان پسندیدہ نہ ہو وہ "مہذب" کہی جائے۔ اس سے انکار نہیں کہ جغرافیائی و تاریخی حالات، مذہب اور سیاسی نظام تہذیب کو جنم دینے میں بنیادی حیثیت کے حامل ہیں لیکن "زبان" کی مدد کے بغیر یہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے۔ زبان ہمارے جذبات و احساسات اور خیالات کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسی وسیلے سے ہم تحریری و تقریری طور پر دوسرے لوگوں اور دیگر چیزوں کے بارے میں واقفیت بھی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن زبان محض افہام و تفہیم کا وسیلہ ہی نہیں بلکہ انسان کے رہن سہن اور طرز زندگی کو سنوارنے، نکھارنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے اور اس کی بقا کے لیے مناسب اقدام بھی کرتی ہے۔

اردو زبان کی تعمیر و تشکیل میں دیگر عوامل کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا بھی ایک اہم رول ہے۔ اردو مشترکہ زبان کی حیثیت سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ڈاکٹر سید عابد حسین نے لکھا ہے کہ،

ہندوستانی تہذیب کے حامل ہندوؤں اور مسلمانوں نے انگریزی زبان اور جدید علوم کی تحصیل نہ صرف ضرورت کے جبر سے بلکہ دلی شوق سے کی لیکن اپنے ذوق و ادب کی تربیت اور اظہار خیال کا ذریعہ اردو کو بنایا۔" (قومی تہذیب کا مسئلہ ص ۱۲۸)

ڈاکٹر نریش اردو تہذیب کے تحفظ سے متعلق لکھتے ہیں کہ، "اردو جس مشترکہ تہذیب و تمدن کی پیداوار ہے، وہ تہذیب، وہ تمدن مجھے عزیز ہے۔ اس تہذیب

حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف اردو کو زندہ رکھا جائے بلکہ تمام ریاستوں میں اس کا مناسب مقام دینے کے لئے اردو کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔"

(ادب کی پرکھ، ص ۲۹، ۱۹۸۳ء دہلی)

اردو والوں کو جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اردو نے ہندوستانی تہذیب کو بنانے سنوارنے میں ہر ممکن کوشش کی ہے اور انگریزوں کی غلامی سے ملک کو آزاد کرانے کے لئے "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے جان کی بازی لگا دی تھی۔ اس کے باوجود آج اسے فرقہ پرست اور غیر ملکی ہونے کا الزام لگا کر ملک سے نیست و نابود کرنے کی سازش کی جا رہی ہے بلکہ کھلے بندوں یہ سب کیا جا رہا ہے تو ان کے دل و دماغ پر بجلی گر جاتی ہے۔ عموماً ایسے حالات میں بھی وہ اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہیں لیکن کبھی کبھی اردو کی محبت سے سرشار ہو کر بعض تعریفی جملے ان کے زبان و قلم سے نکل جاتے ہیں جو دلوں کو توڑنے کے بجائے جوڑتے ہیں۔ "اردو زبان ہی نہیں تہذیب بھی ہے" کا نعرہ انہی حالات و خیالات کی پیداوار ہے۔ جذباتی باتوں کو اگر حقائق و معروضات کے کھرے اصولوں پر پرکھا جائے تو یقیناً مایوسی ہوگی۔ مثلاً جدید اردو غزل کے بارے میں جین صاحب نے لکھا ہے،

"اگر مجھے رابنسن کروسو کے جزیرے پر تنہا چھوڑ دیا جائے اور پرانی اور نئی غزل میں سے کسی ایک کا انتخاب ساتھ لے جانے کی اجازت ہو تو میں ۴۷ء سے پہلے کی غزل پر ۴۷ء کے بعد کی غزل کو ترجیح دوں گا۔ اس میں بھی مجھے ۶۰ء کے بعد کی غزل سب سے زیادہ راس آئے گی کیونکہ اس میں مجھے اپنی ذات کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔"

(تجزیے، ص ۲۳۹، ۱۹۷۲ء دہلی)

ایک اعتراض صحیح معنوں میں قابل اعتراض ہوتا ہے لیکن بعض اعتراضات برائے اعتراض ہوتے ہیں — اردو کو "تہذیب" ماننے سے "انکار" بھی اعتراض برائے اعتراض ہے۔ جین صاحب نے جدید اردو غزل سے جس تعلق خاطر کا اظہار کیا ہے، اگر اس پر

کچھ اس طرح کے اعتراضات کیے جائیں کہ جب انھیں جلا وطن کر کے رابنسن کروسو کے جزیرے پر تنہا چھوڑ دیا جائے گا تو کیا انھیں صرف جدید غزل کا انتخاب ہی ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے گی؟ اگر ان کی مرضی کے مطابق انھیں ۱۹۴۷ء کے بعد کی غزل بلکہ ۱۹۶۰ء کے بعد کی غزلیں لے جانے دیا گیا تو کیا واقعی انہی غزلوں کے سہارے وہ اپنی زندگی گزار لیں گے؟ جین صاحب کی شاہانہ زندگی کو چھوڑیے تحقیق و لسانیات، عروض و تحقیق اور تاریخ ادب وغیرہ کا کیا ہوگا؟ کیا وہ صرف جدید اردو غزل کے سہارے اپنے اس اصول کو برقرار رکھ سکتے ہیں؟ انھوں نے لکھا ہے،

"اب میری توجہ کا مرکز تصنیف و تالیف کا شغل رہ گیا ہے۔ بھوپال سے میرے دوست وزیر تعلیم ڈاکٹر شنکر دیال شرما (موجودہ نائب صدر جمہوریۂ ہند) نے مجھ سے کہا تھا کہ کام نہ کرنا اسکالر کی موت ہے۔ میں اس اصول کو مدِ نظر رکھتا ہوں اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھنے کی فکر میں رہتا ہوں۔" (ماہنامہ آجکل ص۶، اپریل ۱۹۹۰ء دلی)

بہرحال، جب ہم زبان کو "تہذیب" کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ زبان کے علاوہ کسی اور شے یا عمل سے تہذیب کی تعمیر نہیں ہوتی، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ تہذیب کی تربیت اور اس کے اظہار میں زبان ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ زبان کو تہذیب کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ہر زبان کی الگ الگ امتیازی تہذیب ہوتی ہے۔ لیکن بعض زبانیں تہذیب و تمدن سے اتنا گہرا تعلق رکھتی ہیں کہ انھیں بلا جھجک تہذیب کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے مجازاً عام طور سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ "دریا بہتا ہے"، "سڑک بھاگتی ہے"، جب کہ حقیقت میں پانی بہتا ہے اور گاڑی بھاگتی ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اردو نے اپنی زبان و ادب کے ذریعے جس مشترکہ تہذیب کی بنا رکھی ہے اور اس کی آبیاری کی ہے، اس کی مثال ہندوستان میں ہی نہیں دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی مشکل سے ملے گی۔ جین صاحب نے خود اعتراف کیا ہے،

"نفاست و نزاکت کا احساس اردو والوں کو دوسروں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملا ہے۔ اہل اردو شیدۂ زبان ہیں۔ اردو کے سخن سنجوں نے جس طرح زبان کی ستھرائی کی نگہداشت کی ہے، دوسری زبان والے سوچ بھی نہیں سکتے اور صاحب سچ تو یہ ہے کہ زبان بھی ایسی ہے کہ جسے دیکھا کیجیے، سنا کیجیے، سنتے سنتے کھو جائیے، سو جائیے، مر جائیے۔"
(ذکر و فکر ص۳۱، ۱۹۸۱ء، الہ آباد)

اردو والوں کا رکھ رکھاؤ، لسانی شعور اور مجلسی آداب بہرحال ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اردو کی اس خصوصیت کا ہر شخص قائل ہے، متاثر ہے اور مرعوب بھی۔ مثلاً تشریف لائیے، تشریف رکھیے، آخاہ آخاہ، فرمایئے، ملاحظہ فرمائیں، نوش فرمایئے، ارشاد ہو، مکرر ارشاد ہو، تسلیم، آداب وغیرہ الفاظ ہی نہیں بلکہ تہذیب کے اہم عنصر ہیں۔ "اسلوبیات کے اعتبار سے اردو اور ہندی میں CHALK AND CHEESE کا فرق ہے۔ زبان محض آوازوں کا نام نہیں، محض جملوں کا نام نہیں بلکہ زبان کا تعلق تہذیب سے بھی ہے، طرز فکر سے بھی۔ تہذیب اور طرز فکر کے اعتبار سے آپ اگر اردو اور ہندی کا فرق معلوم کریں تو بہت بڑا فرق نظر آئے گا۔" (پروفیسر عبدالستار دلوی سے گفتگو بمبئی ۲ اپریل ۱۹۹۶ء)

اردو کی اس قربانی اور ہر دلعزیزی کے باوصف حکومت اور اکثریت اس کا حق دینے کو تیار نہیں لیکن اس کے حسن اور شیرینی کی ہر شخص تعریف کرتا اور محظوظ ہوتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ اردو کو اس کے حق سے محروم رکھنا بدنیتی ہے۔ اس کی تعریف کرنا اردو اور اردو بولنے والوں کی تہذیب کو اضطراراً امتیازی حیثیت دینا ہے۔

اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ اردو کے شیدائیوں نے اس زبان کی تراش خراش اور نوک پلک سنوارنے پر کافی توجہ دی ہے۔ الفاظ کو سبک اور شیریں بنانے میں دیگر زبانوں سے مدد لی ہے اور لسانی تعصب کو حائل ہونے نہیں دیا۔

صبغت اللہ فلاحی راہی

ثمامہ بن اثال حنفیؓ

قریش کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی ایک مثال

سنہ ۶ھ میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریک اسلامی کے دائرہ کو وسیع بنانے کے لئے عربی وعجمی بادشاہوں سے مراسلت کے ذریعہ رابطہ قائم کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جن بادشاہوں سے تحریک اسلامی کی بابت گفتگو ہوئی انہیں سے ایک ثمامہؓ بن اثال حنفی ہیں۔ یہ دور جاہلیت میں اپنے ملک کے نواب اور راجہ تھے قبیلہ بنی حنیفہ کے مشہور سردار تھے۔ ان کی پوزیشن مستحکم تھی ان کی بات اٹل اور فیصلہ کن ہوتی تھی۔

جب ثمامہ کے پاس پیارے رسولؐ کا خط پہنچا تو انہوں نے اسے بڑی حقارت اور لاپرواہی سے دیکھا اور پھر اپنے کان دعوت حق اور دعوت خیر کے لئے بند کر لئے۔ شیطان نے انہیں ورغلایا۔ پیارے رسول کے قتل پر اکسایا، ان کی دعوت کو نیست ونابود کرنے کا راستہ سجھایا۔ چنانچہ یہ آپ کو ختم کرنے کے لئے گھات میں لگ گئے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کسی کام میں مشغول تھے ثمامہ کو موقع مل گیا انھوں نے پیارے رسول کو (نعوذ باللہ) ایک زبردست سازش کے ذریعہ ختم کرنا چاہا مگر ثمامہ کے چچا نے انھیں اس ارادے میں کامیاب ہونے نہیں دیا بس یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس شر سے نجات دی۔

اس کے بعد ثمامہ نے پیارے نبیؐ کو ختم کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا مگر آپ کے صحابہ کے پیچھے پڑ گئے اور بہت سے صحابہ کو بری طرح سے قتل بھی کر دیا۔ پیارے نبی کو جب اس صورتحال کا پتہ چلا تو آپ نے صحابہ کے درمیان یہ اعلان کر دیا کہ ثمامہ کا قتل جائز ہے۔

اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ثمامہؓ بن اثال نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا

وہ سرزمین یمامہ سے ہوتا ہوا مکہ کی سمت چل دیا۔ اس کی تمنا تھی کہ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے اور بتوں کے لئے نذر ونیاز پیش کرے۔

ابھی ثمامہ مدینہ کے قریب راستہ ہی میں تھا کہ اس پر ایک ایسی مصیبت آپڑی جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ مصیبت یہ تھی کہ نبیؐ کا ایک خفیہ دستہ ان علاقوں میں جاسوسی کا کام انجام دے رہا تھا تاکہ کوئی دشمن رات کے وقت شہر میں نہ آجائے۔ یا کوئی ظالم کسی شر کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔

اس رات جب اس خفیہ دستہ نے ثمامہ کو آتے دیکھا تو چپکے سے اسے پکڑ کر لے آئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے اسے باندھ دیا اور نبیؐ کی آمد کا انتظار کرنے لگے تاکہ آپ اپنے اس دشمن قیدی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس کی سزا تجویز فرمائیں۔

کچھ دیر بعد نبیؐ جب مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے ثمامہ کو بندھا ہوا دیکھ کر صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ جانتے ہو تم نے کسے قید کر رکھا ہے۔ صحابہ نے کہا! اے اللہ کے رسول نہیں! پھر آپ نے فرمایا یہ ثمامہ بن اثال حنفی ہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

پھر آپ اپنے گھر واپس گئے اور وہاں پر موجود لوگوں سے کہا جو کچھ کھانا تم لوگوں کے پاس ہے لاؤ اور ثمامہ بن اثال کو پہنچا دو نیز آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ صبح وشام انہیں دودھ پہنچا دیا کرو۔

اگلے دن نبیؐ ثمامہ کے پاس تشریف لے گئے، انھیں اسلام کی دعوت دی اور کہا اے ثمامہ بولو! تمہاری نیت کیا ہے! (تم کیا چاہتے ہو؟) اس نے کہا میری نیت بخیر ہے۔ البتہ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ کو خون بہا دینا پڑے گا اور اگر مجھے معاف کر دیں گے تو یہ آپ کا ہم پر احسان ہوگا نیز اگر آپ کو مال ودولت چاہیے تو اس کے لئے بھی ہم تیار ہیں جتنا چاہے لے سکتے ہیں۔

اس کے بعد نبیؐ انہیں اسی حال میں چھوڑ کر چلے گئے۔ دو دن گذرنے کے بعد آپ پھر اُن کے پاس تشریف لائے پھر آپ نے وہی سوالات کئے جو پہلے کئے تھے ثمامہ نے بھی وہی جواب دئے جو پہلے دے چکے تھے۔ آپ پھر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد

تیسری مرتبہ پھر آپ ان کے پاس تشریف لے گئے ثمامہ کی طرف سے وہی پرانے جوابات سن کر آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ حکم پاتے ہی صحابہ نے انہیں آزاد کر دیا۔

ثمامہ بن اثال مسجد نبوی سے نکل کر مدینہ کے باہر ایک باغ میں پہنچے وہاں پانی موجود تھا وہاں انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ پانی سے اچھی طرح سے پاکی حاصل کی پھر واپس مسجد رسول پہنچے۔ مسجد کے قریب پہنچ کر رک گئے وہاں کچھ مسلمان موجود تھے ان کے سامنے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان ان الفاظ میں کیا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ پھر وہ رسول اللہ کی طرف متوجہ ہو کر بولے اے محمد! اللہ کی قسم! آج سے پہلے دنیا میں سب سے زیادہ مبغوض ترین میرے نزدیک آپ تھے لیکن آج میرے نزدیک دنیا کے محبوب ترین انسان آپ ہیں۔ اور اللہ کی قسم! میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ دین اسلام تھا لیکن آج میرے نزدیک سب سے زیادہ عزیز ترین دین اسلام ہے اسی طرح سے میں آپ کے شہر کو بدترین اور بدبخت شہر سمجھتا تھا لیکن آج سے یہ شہر میرے نزدیک عزیز ترین شہر ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے آپ کے کچھ ساتھیوں کو قتل کیا ہے اس لئے آپ پر میرا قتل واجب ہے۔ اس کے جواب میں پیارے نبی ؐ نے فرمایا! اسلام کفر کی حالت کے سارے جرائم معاف کر دیتا ہے یہ سن کر ثمامہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور انہوں نے کہا اللہ کی قسم اب میں مشرکین کو اس سے کہیں زیادہ سزا دوں گا اور تکلیفیں پہنچاؤں گا جتنی تکلیفیں میں آپ کے پیارے ساتھیوں کو دیا کرتا تھا اب میری تلوار آپ کی مدد کے لئے اور آپ کے دین کی نصرت کے لئے اُٹھے گی۔

پھر انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! میرا جی چاہتا ہے کہ میں عمرہ کروں لیکن آپ کی محبت نے مجھے روک رکھا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں عمرہ کی ادائیگی کروں! آپ نے فرمایا! جاؤ عمرہ کرو لیکن اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کا دھیان رکھنا پھر آپ نے انہیں مناسک عمرہ کی تعلیم دے کر روانہ کیا۔

ثمامہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر عمرہ کی نیت سے چل دیئے اور جب وہ مکہ مکرمہ کے

قریب پہنچے تو زور زور سے کہنے لگے۔ لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یہ سب سے پہلے مسلمان تھے جو آواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔

قریش نے تلبیہ کی آواز سنی۔ وہ غضبناک ہونے کے ساتھ ساتھ دہشت زدہ بھی ہوئے اور پھر کیا تھا تلواریں نیاموں سے باہر آگئیں اور آواز کی سمت بڑھنے لگیں۔

جب لوگ ثمامہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے مزید زور زور سے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا اور وہ اکڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگے قریش کا ایک نوجوان انھیں قتل کر دینے کے ارادہ سے آگے بڑھا لیکن لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور کہا اے بدبخت! تو جانتا نہیں یہ کون ہے؟ یہ یمامہ کے بادشاہ ثمامہ بن اثال حنفی ہیں۔ اللہ کی قسم اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ان کی قوم ہمیں زندہ درگور کر دے گی اور ہماری روزی روٹی بند کر دے گی۔ اور پھر ہم بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔

یہ سن کر لوگوں نے تلواروں کو نیاموں کے اندر کر لیا اور ثمامہ کے پاس آئے اور ان سے کہا! اے ثمامہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر محمد کے دین میں داخل ہو گئے ہو۔

میں نے ایسا شوقیہ نہیں کیا ہے بلکہ میں نے ایک سچے اور بہترین دین کو اپنایا ہے میں نے محمد کی اتباع کی ہے۔ پھر وہ کہنے لگے رب کعبہ کی قسم! میرے یمامہ پہنچنے کے بعد تم کو ایک دانہ غلہ نہیں مل سکتا جب تک کہ تم اپنا دین چھوڑ کر محمد کے دین میں داخل نہ ہو جاؤ۔

اس کے بعد پیارے رسول ؐ کی تعلیم کے مطابق ثمامہ بن اثال نے قریش کے سامنے عمرہ کیا قربانی پیش کی پھر اپنے وطن واپس جا کر قریش کا غلہ بند کر دیا۔ اس طرح اہل مکہ کی خیرات بند ہو گئی۔

ثمامہ نے جب قریش پر کھانے کی یہ پابندی لگا دی تو آہستہ آہستہ ان کے لئے دشواریاں پیدا ہونے لگیں ۔ چیزوں کے ریٹ بڑھ گئے ۔ اور لوگوں میں بھوک کی وجہ سے بے چینی بڑھ گئی ۔ لوگ بڑے کرب کے مبتلا ہو گئے ۔ اور انھیں پوری طرح یقین ہو گیا کہ اب وہ اور ان کے بچے بھوک سے بہت جلد تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے ۔

اسی حالت میں لوگوں نے پیارے رسول ﷺ کو لکھا کہ آپ کا دعویٰ تو یہ تھا کہ آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے صلہ رحمی بالکل منقطع ہو چکی ہے آپ نے ہمارے آبا کو قتل کر دیا ، ہمارے بیٹوں کو بھوک سے زندہ مار دیا ۔

ثمامہ بن اثال نے غلہ کی ناکہ بندی کر کے ہمیں زبردست نقصان پہنچایا ہے ۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو لکھ دیں کہ وہ ہماری ضرورت کا سامان ہمارے پاس بھیجیں اور ہم پر کوئی پابندی نہ لگائیں ۔

یہ سن کر پیارے نبی ﷺ نے ثمامہ کو لکھا کہ وہ غلہ کی ناکہ بندی ختم کر دیں ۔

ثمامہ بن اثال جب تک زندہ رہے دین کے وفادار اور مخلص رہے نبی کے عہد کے پابند رہے ۔ جب پیارے رسول ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو لوگ بکثرت اللہ کے دین سے نکلنے لگے ۔ اس کے بعد مسیلمہ بن کذاب کا فتنہ کھڑا ہو گیا ۔ قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگوں کو دعوت دینے لگا کہ مجھ پر ایمان لے آؤ میں نبی ہوں ۔ دوسری طرف ثمامہ اس کے مقابلہ میں آ گئے اور اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا اے لوگو ! یہ جھوٹا فریبی جس تاریکی میں تم کو لے جانا چاہتا ہے اس سے بچو ۔ اس کے فتنہ سے دور رہو ۔ اللہ کی قسم یہ بدبخت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بدبختی اس کے نصیب میں لکھ دی ہے اور یہ بھی خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ اس کی اطاعت کرنے والا بدنصیب ہو گا ۔ پھر انہوں نے کہا اے قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگو ! ایک وقت میں دو نبی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور محمد کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور نبوت میں کسی طرح کی شراکت بھی نہیں

ہو سکتی ہے اس کے بعد انھوں نے درج ذیل کی آیات تلاوت فرمائیں ۔

حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

پھر انہوں نے کہا ! کہاں یہ اللہ کا کلام ! اور کہاں وہ مسیلمہ بن کذاب کی بکواس ۔ مسیلمہ بن کذاب کو مخاطب کر کے انہوں نے کہا ! اے مینڈک ! جتنا کچھ نقصان تو اسلام کو پہنچا سکتا ہے پہنچا کر دیکھ لے ۔ تو اسے ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اس کے بعد وہ اپنی قوم کے ان لوگوں کو لیکر الگ ہو گئے جو ابھی اسلام پر باقی تھے اور اللہ کے راستے میں مرتدین کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ۔

اللہ تعالیٰ ثمامہ بن اثال حنفی کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا سے نوازے اور انھیں جنت کے اس عالی مقام پر پہنچائے جس کا مومنین سے وعدہ فرمایا ہے ۔ آمین ۔

بقیہ لیل و نہار

مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب فراش | برصغیر ہند و پاک کے جید عالم دین ، تحریک اسلامی ہند کے صف اول کے عظیم بزرگ رہنما ، گرانقدر تصنیفات کے بلند پایہ مصنف ، جامعہ کی منتظمہ کے بنیادی ممبر اور اسکے سابق ناظم جناب حضرت مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی مدظلہ العالی صاحب فراش ہیں ۔ علالت کی خبر ملتے ہی اساتذہ ، طلبہ اور دیگر ذمہ داران جامعہ و انجمن مزاج پرسی کیلئے حاضر ہوتے اور ہوتے رہے ۔ موصوف علاج کی غرض سے اپنے وطن پھولپور اعظم گڑھ سے لکھنؤ لے جائے گئے ہیں ۔ اب خبر آئی ہے کہ انہیں دہلی لے جایا گیا ہے ۔ ہم اللہ رب العالمین کے دربار میں دست بدعا ہیں کہ وہ انہیں صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے اور ہم ان کے فیض سے تادیر مستفیض ہوتے رہیں ۔

اخبار علمیہ

ابن عالم فلاحی

کرناٹک کے مسلم کسان کا کارنامہ

ضلع بھدراوتی، کرناٹک کے ایک کسان تصدیق احمد نے ایک ایسی کثیر المقاصد زرعی مشین ایجاد کی ہے جس کے ذریعہ تین طرح کے زرعی کام، یعنی زمین جوتنا، بوائی کرنا اور زمین کو سطح کرنا، آسان ہوگیا ہے۔ اس مشین کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اسے جانوروں، ڈیزل انجن، شمسی توانائی کے ذریعہ چلایا جاسکتا ہے۔

مشین کے موجد مسٹر تصدیق احمد بنگلور سے ۴۰۰ کلومیٹر دور بھدراوتی کے ایک اسکول میں ٹیچر ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس مشین کے استعمال کے ذریعہ وقت اور توانائی کی بچت کی جاسکتی ہے۔ اور ساتھ ہی مزدوری کی لاگت کو بھی کم کیا جاسکتا ہے۔ اور اسے اس انداز سے ڈیزائن کیا گیا ہے کہ بوائی کے دوران دو پودوں کے درمیان مطلوبہ فاصلہ برقرار رہتا ہے جس سے بیجوں کا زیاں کم ہوگا۔

این سی آئی آر ٹی بھی اس مشین کو اپنی اسکیم کے تحت منتخب کرچکی ہے تاکہ اسے مزید بہتر انداز سے ڈھالا جائے۔ حال ہی میں پانڈیچیری میں منعقدہ جنوبی ہند کے سائنسی میلے میں مسٹر تصدیق احمد اس مشین کی ایجاد پر پہلا انعام حاصل کرچکے ہیں۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۸ جولائی ۱۹۹۲ء)

فضائی سفر کرنے والوں کیلئے نماز کا وقت بتانے والی گھڑی

اے ایف پی کے مطابق ایک سائنسدان نے ایک ایسی گھڑی ایجاد کی ہے جو فضائی سفر کرنے والے مسلمانوں کو پانچوں وقت کی نماز کا صحیح وقت بتاسکے گی۔ اس گھڑی کی قیمت ۳۱ ڈالر اور وزن صرف ۷۰ گرام ہے ان گھڑیوں کی پیداوار آئندہ ماہ شروع ہوجائیگی گھڑی کے موجد مسٹر ہیرالانڈی کے مطابق اس گھڑی کو کلائی پر باندھا جاسکتا ہے انکے مطابق فضائی سفر کرنے والے شخص کے کسی مقام کے طول البلد اور عرض البلد کا بٹن دبانے سے گھڑی کے ڈائل پر نماز کا وقت آجائیگا۔

(سہ روزہ دعوت دہلی ۱۲ اگست ۱۹۹۳ء)

تعلیمی نظام کی بہتری کیلئے ایک جرأت مندانہ قدم

عدالت عظمیٰ پاکستان نے ایک مجبوری حکم کے تحت پورے ملک میں طلباء وطالبات کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی عائد کردی ہے اور ہدایت کردی ہے کہ ہر تعلیمی ادارہ داخلے کے وقت طلباء وطالبات اور والدین یا سرپرستوں سے یہ بیان حلفی حاصل کرے کہ طلباء وطالبات سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیں گے ورنہ انہیں تعلیمی اداروں میں داخلہ نہیں ملے گا اور اگر داخل ہونے کے بعد انہوں نے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیا تو انہیں تعلیمی ادارے سے خارج کردیا جائے گا۔ فاضل عدالت نے تمام تعلیمی اداروں کے لئے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ تمام موجودہ طلباء وطالبات سے بھی اس قسم کا بیان حلفی حاصل کریں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں انکے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ عدالت نے یہ بھی واضح کردیا کہ سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے بارے میں تعلیمی ادارے کا سربراہ اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ جو رپورٹ پیش کرے گا وہ حتمی ہوگی اور اسے صرف سپریم کورٹ ہی میں چیلنج کیا جاسکے گا۔

بظاہر عدالت عظمیٰ پاکستان کا یہ حکم طلباء وطالبات کے ایک عمومی حق پر قدغن معلوم ہوتا ہے، چنانچہ کراچی کے ایک انگریزی روزنامہ دی نیوز نے اپنی ۱۸ جولائی ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں اس خبر کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس کے درمیان بکس میں دستور پاکستان کی دفعات ۱۷(۲)، ۱۸(۱) اور ۱۹(۲) کے حوالے سے یہ یاد دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ گویا سپریم کورٹ کا یہ حکم دستور پاکستان کے تحت بنیادی حقوق کے منافی ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ بلا روک ٹوک سب کے لئے اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بنیادی حق کی پامالی کے انسداد کے سلسلے میں یہ ایک بہت ضروری اور اہم قدم ہے اور وہ مناسب فیصلہ ہے جس کا مدت سے انتظار تھا اور کسی سیاسی حکومت میں اس قسم کا فیصلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ عدالت عظمیٰ پاکستان نے یہ جرأتمندانہ فیصلہ کرکے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔

(بشکریہ تکبیر کراچی ۲۳ جولائی ۱۹۹۲ء)

محمد اسمعیل فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

صدر جامعہ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر

ایک عرصہ کے عملی تعطل کے بعد مسلم یونیورسٹی کورٹ کا انتخاب عمل میں آیا اور اس بار جو افراد اس کے ممبر منتخب کئے گئے ہیں، اس فہرست پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد یہ توقع بجا طور پر کی جا سکتی کہ یہ انتخاب بہت حد تک اطمینان بخش ہے، خاص طور سے مولانا ضیاء الدین اصلاحی، مولانا سید احمد ہاشمی، مولانا ممتاز علی ندوی، مولانا سعید الرحمن عثمانی، مولانا افضال الحق قاسمی، اور صدر جامعہ مولانا نظام الدین صاحب کے انتخاب کے بعد ہم امید کرتے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کو ملی مسائل کے حل کرنے اور اس کو صحیح راہ پر لگانے میں نو منتخب افراد موثر کردار ادا کریں گے۔ ملت کو اس ادارہ سے جو توقعات ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس بات کی توفیق دے کہ وہ اسے اس کے مطابق بنانے اور ڈھالنے میں کامیاب ہو سکیں۔

امتحان

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۴؍صفر ۱۳ھ مطابق ۳؍اگست ۹۲ء سے ششماہی امتحانات شروع ہو کر ۱۱؍ربیع الاول مطابق ۱۰؍ستمبر ۹۲ء کو ختم ہو جائیں گے۔ پھر تعطیل شروع ہو گی اور دوبارہ جامعہ ۲۸؍ربیع الاول مطابق ۲۷؍ستمبر ۹۲ء بروز اتوار کھل جائے گی۔

جامعہ کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر تعطیل کے بعد اول روز سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس طرح طلبہ کے ساتھ، سرپرستوں کا بھی امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کتنے حساس اور نظم جامعہ کے تعلق سے کتنے سنجیدہ ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے طلبہ وقت پر حاضر ہوں گے۔ تاخیر کی صورت میں نام کٹنے اور دارالاقامہ کی جگہ کے پر ہونے کا اندیشہ ہے۔

جامعہ میں معلمات کا تربیتی کیمپ

اتر پردیش فلاح عام سوسائٹی (رجسٹرڈ) معلمین و معلمات کے تدریسی تربیتی کیمپ قائم کرتی رہی ہے۔ اس بار وہ معلمات کا ایک کیمپ ۱۱؍ستمبر ۹۲ء سے ۱۰؍اکتوبر ۹۲ء تک کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح بلریاگنج میں منعقد کرنے جا رہی ہے۔ کیمپ کے بیرونی نظم کے انچارج مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی ہیں۔ شرکت کے لئے کم از کم ہائی اسکول یا اس کے مساوی کوئی امتحان پاس ہونا ضروری ہے۔

جن معلمات کو شرکت کی اجازت دی جائے گی انہیں قیام و طعام اور مصارف سفر کا انتظام سوسائٹی کی جانب سے ہوگا۔

کلیۃ البنات کا مجوزہ کمپلکس

۲۰؍جون ۱۹۹۲ء کو کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح کی نئی درسگاہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ پچھلے شمارہ میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اس موقع پر ناظم جامعہ جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب نے اس کے مجوزہ کمپلکس کا جو تفصیلی تعارف پیش کیا تھا اسے ہم نذر قارئین کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اللہ کے فضل اور اپنے ہمدردوں کے تعاون سے ہم نے چھ ایکڑ زمین حاصل کی اور درسگاہ کی پہلی منزل کی تعمیر بھی مکمل ہو گئی جس کے افتتاح کی آج سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ ابھی دوسری منزل کے ساتھ ہاسٹل (ایک ہزار طالبات کیلئے) ڈائننگ ہال، مطبخ، لائبریری، شفاخانہ، معلمات کیلئے فیملی کوارٹرس، مرکز امور خانہ داری (دستکاری، کڑھائی وغیرہ کی تربیت) ایک بڑا ہال، مہمان خانہ اور دفاتر وغیرہ کی تعمیر، ایک لمبا کام باقی ہے۔ دختران ملت کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی رکھنے والے اہل خیر سے ڈاکٹر صاحب نے امید ظاہر کی کہ وہ ان نقشوں میں رنگ بھریں گے اور ہمارا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔

افتتاح کے موقع پر بعض کام نامکمل تھے اب اسکی تکمیل کے بعد وہاں ۲۲؍جون سے باقاعدہ تعلیم شروع ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا خطاب

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ثانوی درسگاہ رامپور سے فارغ ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ایم اے کے بعد

ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے۔ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں کچھ دنوں رہکر مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب سے کسب فیض کیا ہے۔ چار سال شبلی کالج اعظم گڑھ میں لکچرر رہے ہیں جماعت اسلامی ہند کے رکن ہیں۔ ضلع دیوریا میں پڑرونا تحصیل وطن ہے۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ۱۲ سال تک تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ ۵ سال تک وامی (W.A.M.Y) ریاض سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ جامعہ کے ابتدائی دور میں اسکی مجلس منتظمہ کے مستقل ممبر دل میں تھے۔ مسلسل بیرون ملک رہنے کی وجہ سے اجلاسوں میں شریک نہ ہونے کی بناپر آپ نے استعفا دے دیا تاکہ خواہ مخواہ جگہ بھری نہ رہے۔ اس وقت رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے کمپالا، یوگنڈا میں معمور ہیں۔ گھر آئے ہوئے تھے۔ یوگنڈا کے حالات اور وہاں پر اسلام کے فروغ کے امکانات پر محاضرہ کی درخواست کی گئی، ڈاکٹر صاحب نے قبول کرلی اور ۸/۸/۹۲ کو جامعہ تشریف لاکر محاضرہ دیا۔ بشرط گنجائش آئندہ ہم اس کا خلاصہ پیش کریں گے۔

مرکزی ہال کی تعمیر جامعہ میں ایک مرکزی وسیع ہال کی تعمیر کا کام ـــ جس کا خاکہ ایک عرصہ سے معرض التوا میں پڑا تھا۔ ایک صاحب خیر کی پیشکش سے پچھلے دنوں شروع ہوگیا تھا۔ لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بناپر اسکی تعمیر روکنی پڑی تھی۔ اب پھر اس کی تعمیر کا کام بحمداللہ زور وشور سے شروع ہوچکا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ ۱۵ اکتوبر سنہ ۹۲ء سے پہلے پہلے ہال تیار ہوجائیگا اور انجمن طلبہ قدیم کے مجوزہ سمینار بعنوان "ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس" سے اس کا مبارک افتتاح ہوسکے گا اور صاحب خیر مذکور کو اس صدقہ جاریہ کا ثواب پہنچنا شروع ہوجائے گا۔

کینٹین چائے، دودھ، بسکٹ اور ہلکے پھلکے ناشتہ کیلئے طلبہ کو جامعہ سے باہر جانا پڑتا ہے۔ طلبہ کو باہر کے ماحول سے دور رکھنے، خصوصًا ہوٹلوں کے مضر اثرات سے بچانے کیلئے ضرورت تھی کہ جامعہ کے اندر کینٹین کا مناسب انتظام ہو جہاں طلبہ کی جائز ضروریات پوری ہوسکیں۔ انجمن طلبہ قدیم نے اس جانب توجہ کی تھی اور اسکے زیر اہتمام ایک عرصہ تک کینٹین چلتی رہی۔ تقریبًا یہ کینٹین سال بھر سے بند تھی۔ اسکا چھپر کا جھونپڑا گر گیا تھا، انجمن کی توجہ سے اسی جگہ پر پہلے سے وسیع وعریض ایک خوبصورت سی کینٹین نئے سرے سے تعمیر ہوچکی ہے۔ ان سطور کے آپکی نظروں سے گزرنے تک، امید ہیکہ کینٹین اپنا کام شروع کردے گی۔

بقیہ صـ ۲۳ پر

"قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" کا دوسرا ایڈیشن

مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی کے حالات زندگی اور خدمات پر مشتمل "حیات نو" کی خصوصی پیش کش "قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" ضروری تصحیح کے بعد دوبارہ منظر عام پر آچکا ہے۔ خواہش مند حضرات جلد رابطہ قائم کریں۔

قیمت: ۱۵ روپے

"مولانا سید حامد حسین نمبر"

ماہنامہ "حیات نو" کی خصوصی پیش کش "مولانا سید حامد حسین نمبر" کے کچھ شمارے دفتر میں موجود ہیں، خواہشمند حضرات اس کی قیمت ۸ روپے بھیج کر حاصل کرسکتے ہیں۔

شرح اشتہارات

آخری صفحہ ٹائٹل	۱۰۰۰
اندرونی صفحہ ٹائٹل	۶۰۰
آخری صفحہ ٹائٹل (اندرونی)	۶۰۰
پورا صفحہ اندرونی	۵۰۰
نصف صفحہ "	۲۵۰
چوتھائی صفحہ "	۱۵۰

پتہ: منیجر "حیات نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۳۱